مطبوعاتِ جدیدہ

اخبار مجموعہ مترجمہ جناب مولوی محمد زکریا صاحب مائل تقطیع بڑی ضخامت ۲۰۸ صفحے کاغذ معمولی کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد ہے غیر مجلد عہ پتہ انجمن ترقی اردو ہند نئی دہلی،

اندلس کی اسلامی فتوحات اور اس کی ابتدائی تاریخون مین ایک مستند تاریخ "اخبارٌ مجموعۃٌ فی فتح الاندلس و ذکر امرائہا رحمہم اللہ والحروب الواقعۃ بہا بینہم" ہے، اس کو ایک اسپینی مستشرق امیلولا فوانتی نے ۱۸۶۷ء مین تصحیح مقدمہ اور اسپینی ترجمہ کے ساتھ میڈرڈ سے شائع کیا تھا، لیکن اصل مصنف کا نام و نشان کچھ معلوم نہین، مقدمہ اسپینی زبان مین ہے، ورنہ شاید کچھ پتہ چلتا، یہ کتاب ہمارے کتب خانہ مین بھی موجود ہے، ہم نے عرصہ ہوا، تاریخ بنی امیہ کی تالیف کے سلسلہ مین مختلف فہرستون اور کتابون کے ذریعہ مصنف کا نام معلوم کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن کوئی سراغ نہ مل سکا، اب اس کے مصحح اور مترجم امیلولا فوانتی ہی کا نام لکھتے ہین، حتی کہ تاریخ اندلس کے مشہور عالم و محقق "ڈوزی" نے بھی اپنی تاریخ اندلس کے ماخذون مین کتاب کا نام تو لکھا ہے، لیکن مصنف کا نام ظاہر نہین کیا، لیکن اس کے انگریزی مترجم گریفن اسٹوکس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ "ڈوزی" نے اپنی کتاب تحقیقات اور ابن العذاری کی کتاب البیان المغرب کے مقدمہ مین اس پر روشنی ڈالی ہے، لیکن راقم ان دونون کے مطالعہ سے محروم ہے، کتاب کی عبارت اور طرز تحریر شاہد ہے، کہ وہ یقیناً کسی قدیم مسلمان مصنف کی تصنیف ہے، اور اندلس کی ابتدائی تاریخ کے معتبر ماخذون مین ہے، جناب مولوی ذکریا صاحب مائل نے اردو مین اس کا ترجمہ کیا ہے، ترجمہ صاف و سلیس ہے، کتاب کے شروع مین لائق مترجم کے قلم سے اسلامی اندلس کی تاریخ اور اس کے ماخذون پر مفید تبصرہ ہے، مترجم نے کتاب کا نام "اخبارِ مجموعۂ فی فتح الاندلس الخ" لکھی ہے ص ۹۴ جو صحیح نہین ہے، صحیح نام "اخبارٌ مجموعۃٌ" تنوین کے ساتھ ہے، دونون مین اضافت نہین، بلکہ صفت و موصوف کی ترکیب ہے، اضافت عربی قاعدہ سے بھی غلط ہے، اور اصل کتاب میں بھی نہایت واضح طور پر اعراب موجود ہے، اردو مین اس کا نام اخبار مجموعہ کے بجائے مجموعہ اخبار زیادہ صحیح ہوتا، خیر یہ تو ایک جزئی سی فروگذاشت ہے، نفس کتاب کا ترجمہ اردو مین اندلس کی تاریخ پر ایک مفید اضافہ ہے،

ملک محمد جائسی مولفہ جناب سید کلب مصطفےٰ صاحب بی اے تقطیع بڑی ضخامت ۲۰۶ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ پتہ انجمن ترقی اردو، نئی دہلی،

ملک محمد جائسی بھاشا زبان کے ان باکمال شاعرون مین تھے، جن کی مثال ہندو شعراء مین بھی مشکل سے مل سکے گی، ان کی مشہور مثنوی پدماوت کو اتنی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی، کہ اس سے عوام و خواص سب لطف اور لطف اندوز ہوتے ہین لیکن اس نامور شاعر کے حالات بہت کم معلوم ہین، تذکرون اور کتابون مین بھی ان کی شاعری کے علاوہ ان کے حالات محض برائے نام ملتے ہین، ان کے ایک لائق ہم وطن نے بڑی تلاش و جستجو سے حالات فراہم کرکے یہ کتاب مرتب کی ہے، اس مین ملک محمد جائسی کے ضروری حالات، ان کی تصانیف کا ذکر، پدماوت کے قصہ کا خلاصہ اس کی تاریخی حیثیت پر تنقید، اور اس کی شاعرانہ خوبیون کی پوری تفصیل اور مصنف کی ایک دوسری نظم اکھروٹ، اور آخری دور کے کلام پر محققانہ تبصرہ ہے، غرض بھاشا زبان اور اس کی شاعری کے متعلق بہت سے مفید معلومات آگئے ہین، یہ کتاب مفید و دلچسپ اور بھاشا کی فصیح زبان کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والون کے مطالعہ کے لائق ہے،

"م"

جلد ۵۶ ماہ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۴۵ء عدد ۴

مضامین

مضمون	مصنف	صفحات
شذرات	سید سلیمان ندوی،	۲۴۲-۲۴۳
خطبۂ صدارت	" "	۲۴۵-۲۸۰
عرفانیاتِ فانی	جناب مرزا احسان احمد صاحب ایڈوکیٹ اعظم گڈھ	۲۸۱-۲۹۲
کیا مدینۃ العلوم طاشکبری زادہ کی تصنیف ہے؟	جناب قاضی احمد میان صاحب اختر جوناگڈھی	۲۹۳-۲۹۵
مطبوعاتِ جدیدہ	"م"	۲۹۶

شذرات

خاکسار تین ماہ کے سفر مدراس و بمبئی و حیدرآباد دکن و دوردھا و بھوپال سے مارچ کے وسط مین واپس آیا، مدراس میں اواخر دسمبر ۱۹۴۴ء میں موّرخین ہند کی کانفرنس تھی، جس کے ایک شعبہ کی صدارت کے لئے مدراس کا سفر کیا گیا،

یہ ظاہر ہے کہ کسی شعبہ کی صدارت کے لئے اتنا لمبا سفر اختیار کرنا، اور بھی صحت کی خرابی کی حالت مین کسی نئے حصول عزّ کی غرض سے نہ تھا، بلکہ ان تلخ حقیقتون کے اظہار کے لئے تھا، جن سے اب تک چشم پوشی برتی گئی ہے، اور جن کے اظہار کا اس سے بہتر موقع نہیں ہوسکتا تھا،

یہ خوشی کی بات ہے کہ اس خطبہ مین جس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے اوس کو کانفرنس کے سمجھدار لوگون نے اچھی طرح سمجھا بلکہ کانفرنس کے صدر ڈاکٹر سرندر ناتھ سین نے اپنے صدارتی خطبہ مین خود بھی ادھر اشارہ کیا ہے، اور ابھی ۲۵ مارچ کو ہندوستانی انجمن الہ آباد کی صدارتی تقریر مین سرتیج بہادر سپرو نے "حقیقی تاریخ" کے عنوان سے اسی مقصد کو ظاہر کیا ہے،

مدراس کے بعض دوسرے مقامات مین بھی تقریرین ہوئین، ویلور و نیشارم مین تقریر کا عنوان "سنت محمدیہ کی حقیقت" اور دار السلام عمرآباد مین عبدیت تھا، دار السلام کی مسجد مین دو روز صبح کے وقت قرآن پاک کے درس بھی ہوئے، پریم پیٹ مین بھی صبح کو ایک مسجد مین قرآن پاک کی بعض سورتون کا درس ہوا،

بمبئی کا سفر وہان کی جمعیۃ العلماء کی دعوت پر ہوا، ۱۱ صفر ۱۳۶۴ھ کی رات کو جمعیۃ العلماء مذکور کی صدارت کا خطبہ

پڑھا گیا جس مین سورۂ الحمد کی تفسیر کے ضمن مین مسلمانون کے حال پر تبصرہ تھا، شہر مین انجمن اسلام ہال مین اردو پر اور صابو صدیق ہال مین ہندوستان مین علوم عربیہ کی خدمت کے موضوع پر اور احباب کے ایک مخصوص مجمع مین توبہ و انابت کے صحیح طریق پر تقریرین کی گئین،

حیدر آباد دکن کے سفر مین خرابی صحت کی بنا پر قصداً تقریرون سے احتراز کیا گیا، صرف سکندر آباد کے نوجوانوں کے ایک مختصر سے مجمع مین اصلاح کے بنیادی طریق پر گفتگو کی گئی جس کو اکثر نوجوانون نے پسند کیا،

وردھا کا سفر ہندوستانی زبان کے مشورہ کی غرض سے ہوا، مین نے اپنی تقریر مین ایک ملکی زبان کی ضرورت پر زور دیا، اور یہ عرض کیا کہ ہندؤن اور مسلمانون کی زبان مین اسی حد تک فرق ہونا چاہئے جس حد تک ان کے مذہبون اور تمدنون مین فرق ہے، اس لئے جہان تک مسلمانون کا تعلق ہے ان کی مذہبی و تمدنی اصطلاحون اور لفظون کا ماخذ عربی و فارسی و ترکی ہونے سے کوئی چارہ نہین ہے، اور ایسی ہی اجازت ہندؤن کو بھی ان کے مذہبی اور تمدنی خصوصیات کے لئے ہونی چاہئے، اس کے بعد یہ عرض کیا گیا کہ زبان کے لفظون کی صحت کا مدار لغت کی کتابون کے بجائے بازار کے چلن اور عوام کے رواج پر ہونا چاہئے، اب اس وقت ہماری زبان مین عربی و فارسی، ہندی سنسکرت اور انگلش کا جو لفظ جس صورت مین بولا جاتا ہے وہی ہماری زبان کا صحیح لفظ ہے، افسوس ہے کہ رپورٹرون نے لوگون کی صحیح تقریرین چھاپنے کا بندوبست نہین کیا،

عرب ریاستون کی وحدت کی جو کوششین ہو رہی ہین ان مین اب تک صرف علمی و ادبی و اقتصادی خیالات ظاہر کئے گئے تھے لیکن بعض مصلحین نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے اور یہ ظاہر کیا ہے کہ شریعت اسلامیہ کے قانون کو اگر یہ سب اختیار کرلین تو یہ وحدت کا بہترین ذریعہ ہوگا، حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ ریاستین اس تجویز کو منظور کرلین تو یہ عربی وحدت کا حقیقی مظہر ہوگا، اور پوری دنیاے اسلام اس کی پشت پر ہوگی، خدا کرے کہ عرب مسلمانون کی نظر توجہ لندن و نیویارک سے ہٹ کر اگر پھر مکہ اور مدینہ پر پڑنے لگے تو ان کی دوسری زندگی پھر ان کی پہلی زندگی کی طرح دنیا کی قومون کے لئے زندگی کا نیا پیغام پیش کردے جس کی دنیا کو اس وقت بڑی ضرورت ہے،

پچھلے تین مہینون کے پرچون کی ترتیب اور شذرات کی تحریر کا کام ہمارے رفیق مولوی شاہ معین الدین صاحب ندوی نے کیا، اب معارف کا کام زیادہ تر وہ اور مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی کرتے ہین، امید ہے کہ آیندہ بھی اس بوجھ کو یہی دونون اٹھائین گے۔ اور میرے لیے یہ بڑی طمانیت کا باعث ہے،

معارف کی ضخامت کی کمی کا غم اپنے ناظرین کے ساتھ خود رسالہ کے مدیرون کو بھی ہے، اب تک سرکار سے اجازت ملنے کی جو کوششین کی گئین، وہ ناکام رہین، اب مرکزی حکومت مین کوشش کی جا رہی ہے انجام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے،

نئے سال کی کتابون مین مولوی مسعود عالم صاحب ندوی کی کتاب "اشتراکیت اور اسلام" چھپ کر شائع ہوئی ہے، کتاب گو مختصر ہے مگر تحقیق اور استناد سے لکھی گئی ہے، اس لئے امید ہے کہ اہل ذوق اس کی قدر کرین گے

مقالات

خطبۂ صدارت شعبۂ تاریخ ہند از منۂ وسطیٰ (۱۲۰۶ء تا ۱۵۲۶ء)

اجلاس

آل انڈیا ہسٹری کانگریس منعقدہ مدراس دسمبر ۱۹۴۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رفیقو! ممنون ہون کہ آپ نے اپنی مجلس مین اس کرسی پر مجھے جگہ دی، آپنے اس انتخاب سے اپنے دستور کی کئی دفعون کو توڑا ہے، آپنے یہ کرسی ایسے شخص کو دی ہے جس کو آپ کی یونیورسٹی برادری سے دور کا لگاؤ بھی نہین، بلکہ اس نے آپکے اسکول و کالج مین ایک منٹ کے لئے بھی قدم نہین رکھا، اور وہ سر تا پا مشرقی درسگاہون کا پروردہ اور نمایندہ ہے، اس لئے اس اعزاز کے لئے اوس کا انتخاب آپ کی رواداری اور دل کی بڑائی کا بہت بڑا ثبوت ہے، آپنے اس طرح میرا جو حوصلہ بڑھایا ہے، جس کا دل سے شکر گذار ہون، اور اس کو اس کے لئے نیک خیال سمجھتا ہون کہ شاید آیندہ علمی اور تعلیمی کامون کے انجام دینے مین مشرقی اور مغربی تعلیمون کے فرق و امتیاز کی خلیج بیچ مین نہ آئے گی، اور ہماری نظر کسی بڑے علمی اور تعلیمی مقصد کو پورا کرنے مین اصل مقصد پر رہے گی، مغربی و مشرقی طرز و انداز کے اختلاف پر نہین،

اب ہم زمانہ کے دوسرے موڑ پر پہونچ گئے ہین، جہان ہم کو اپنی زبان سے محبت ہونی چاہئے، اور اپنی دیسی ہندوستانی زبان مین کام کرنے والون کے ساتھ اشتراک عمل ہونا چاہئے، اور شاید آج کا دن اس بڑے مقصد کے اعلان کے لئے موزون ہے،

اصل موضوع پر کچھ کہنے سے پہلے ہندوستان کی عمومی تاریخ کے ایک خاص نقطۂ نظر کے متعلق ہم کو کچھ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے، ہم جس چیز کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہین ہمارے خیال مین اب تک کسی جماعت کی طرف سے اس کی غلطی کو واضح نہین کیا گیا، اور نہ اس کی غلطی پر ابھی تک ان کو ٹوکا گیا ہے ہماری مراد اس سے وہ غلط قسم کا فرقہ وارانہ رنگ ہے جو ہماری تاریخ پر ایک زمانہ سے چھایا ہوا ہے،

پالٹیکس کے کھیل سے اس ملک کا علم تاریخ بھی بچا ہوا نہین، بلکہ صاف کہنا چاہئے کہ یہی وہ بیج ہے جس سے ہندوستان کا مشہور پھل پھوٹ پیدا ہوتا ہے، مسلمانون کی حکومت کی برائی اور اچھائی کی بھی بہت سی باتین کہی جاسکتی تھین، مگر ان کے بعد اس ملک مین جو حکومت آئی، اوس کے زمانہ مین تعلیم کا سررشتہ پورا کا پورا غیر ملکیون کے ہاتھ مین تھا، ان لوگون کے ہر جتھے کی ہر طرح سے یہ کوشش تھی، کہ اپنے راج کی بڑائی کو ہر ہندوستانی کے دل مین بٹھا دے، اور ساتھ ہی ایک ایسا کرتب کرے جس سے ان کے دل کے شیشے ٹوٹ کر پھر جڑنے نہ پائین، تعلیم کے سارے مضمونون مین اس کام کے لئے تاریخ کے سوا کوئی اور چیز مناسب نہ تھی، چنانچہ اونھون نے اس ملک کے لئے تاریخ کی جو کتابین شروع سے آخر تک لکھین اور پڑھائین، ان مین یہی بات سو سو طرح سے الٹ پلٹ کر سمجھائین، اور پڑھائین کہ جو دل ان سے ٹوٹتے تھے، وہ پھر اب تک جڑ نہ سکے،

آج سے کوئی پندرہ سولہ برس پہلے اسی مدراس کے شہر ترچناپلی مین ہندو مسلمانون کے ایک ملے جلے جلسہ مین جس کے

صدر ہائیکورٹ کے ایک ریٹائرڈ جج تھے، مین نے کہا تھا کہ وہ زمین جس مین ہندو مسلمانوں کے پھوٹ کا درخت جمتا اور بڑھتا ہو وہ (C) سے شروع ہونے والے دو مکان مین یعنی کالج اور کورٹ، میری بات کو ہنسی اور دل لگی نہ سمجھئے بلکہ سوچئے کہ میرا کہنا کہان تک صحیح ہے پچھلی بڑی جنگ یعنی مانٹیگو چیمسفورڈ ریفارم اسکیم کے بعد سے تعلیم کا کام خود ہندوستانیون کے ہاتھون مین آگیا ہے جس مین سے ایک تاریخ بھی ہے، اب ہندوستان کی تاریخ اکثر یونیورسٹیون مین ہندوستانی ہی پڑھاتے ہین، اور ہندوستانی ہی کورس کی کتابین بناتے ہین، اور تاریخ کے مختلف دور کے بادشاہون کے حالات کی تحقیق پر کتابین لکھاتے ہین لیکن یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ اب چلنے والے گو نئے ہین لیکن ان کے چلنے کا راستہ ابھی تک وہی ہے جس کو اون کے پہلے پرانے بدیسی چلنے والے بنا کر چھوڑ گئے ہین، حالانکہ ضرورت یہ ہے کہ اب نیا ڈگر بنایا جائے اور علم کے قافلہ کے چلنے والون کے لئے نئی راہ نکالی جائے، جو پھوٹ کے بجائے میل کی منزل مقصود کو جاتی ہو،

اس فن کے جاننے والے جانتے ہین کہ تاریخ ایک کچی دھات ہے، اس کچی دھات کو مختلف مسالون سے جوڑ کر جیسی شکل آپ چاہین بنا سکتے ہین، اور اپنی ہمدردی اور بیدردی سے اس کو جس طرح چاہین رنگ کر دکھا سکتے ہین، دو تین جزئی باتون کو ملا کر کلیہ بنا لینا اس فن کا آج کل سب سے آسان چٹکلہ ہے، پرانے زمانہ مین تاریخ ایک معصوم فن تھا جس کا مقصد واقعات کا ریکارڈ تیار کرنا تھا، اور بس، مگر آج کل یہ فن سب سے زیادہ بدنام فن ہوگیا ہے، اور قومون کی چرب زبانی، اختلاف بیانی اور واقعات کی توجیہ اور تشکیل کرکے اس کو جدا جدا رنگ دینے کے سبب سے کسی چیز کی تاریخ آج ایک ہی طرح بیان نہین کی جا سکتی ہے، کچھ نہ سہی پچھلی جنگ ہی کی تاریخ مختلف لڑنے والی قومون کی زبانون سے ایک ہی طرح پڑھ کر دیکھ لیجئے، یا اسی لڑائی مین ایک ہی واقعہ کی روایت مختلف ملکون کے ریڈیو مین سن لیجئے، تو معلوم ہوگا کہ اس زمانہ مین تاریخ کی حقیقت کیا سمجھی گئی ہے، اور اس سے کیا مصرف لیا جا رہا ہے،

بہرحال مجھے کہنا یہ تھا، کہ تاریخ کے فن کو قومون کے پھوٹ اور میل مین بہت کچھ دخل ہے، اس لئے وہ لوگ جن کی نظر مین اس ملک کا مستقبل ہے، اور جن کے ہاتھون مین اس مستقبل کا بنانا یا بگاڑنا ہے ان کو اپنی ذمہ داری کو سمجھنا چاہئے اور اس حالت مین جب کہ ہم سب کو معلوم ہے کہ ہم کو اب اسی ملک مین جینا اور مرنا ہے، تو عداوت اور نفرت کی پچھلی باتون کو اس طرح دہراتے رہنا جس سے یہ جذبہ اسی طرح پلتا اور بڑھتا اور پھلتا اور پھولتا رہے، اپنے ملک کے ساتھ بڑی بے وفائی ہے،

مسلمانون مین دو مصنف ایسے گذرے ہین جنھون نے ہندوستان کی خاک کو اپنی آنکھون کا سرمہ بنایا جن مین پہلا گو نسل مین ترک تھا، مگر اس کا دل ہندوستان کی مٹی سے بنا تھا، میری مراد امیر خسرو سے ہے، جنھون نے فارسی اور بھاشا کی آمیزش سے ہندوستان مین مسلمانون کے عہد مین ایک نئی زبان اور نیا تمدنی ذوق پیدا کرنے کی کوشش کی، اور سب سے پہلے اسی ملی جلی زبان مین شاعری کی بنیاد رکھی، اور موسیقی کی ایک نئی لَے ہندی اور ایرانی سے ملا کر پیدا کی، انھون نے اپنی فارسی مثنوی نہ سپہر مین ایک مستقل باب ہندوستان کی خوبیون پر لکھا ہے، اور یہان کے ملکی باشندون کے علم و دانش، اور ہنر کی تعریف مین اپنی شاعری کا پورا جوہر دکھایا ہے، دوسرے شخص میر غلام علی آزاد بلگرامی ہین جن کی وفات کو ابھی ۱۶۳ برس گذرے ہین، ان سے بڑا ہندوستان کا کوئی مسلمان مورخ اور عربی کا شاعر اس ملک مین پیدا نہین ہوا، یہ ہندی کے بھی شاعر تھے، بلکہ خاندانی شاعر، انھون نے سبحۃ المرجان فی آثار ہندستان عربی مین لکھ کر ہندوستان کی زمین

کو آسمان اور ہر حیثیت سے اس کی وہ بڑائی کی ہے، کہ اس کو رشک جہان بنا دیا ہے، مسلمان مورخون کے لئے ان کے بزرگون کا یہ طریقہ ان کی تقلید کے قابل ہے،

جس عہد کی تاریخ پر ہم آج کی مجلس مین کچھ کہہ سن رہے ہین اس پر ہندوستانی اہل قلم کے ہاتھون سے کئی اچھی اچھی کتابین شائع ہو کر اہل نظر کے سامنے آگئی ہین، خاص کر ہماری یونیورسٹیون مین تاریخ کے کام کرنے والون کے ذریعہ کافی لٹریچر پیدا ہو رہا ہے، مگر اس کا بڑا حصہ ایسا ہے جو کسی یونیورسٹی سے کسی ڈگری کے حاصل کرنے کے لئے لکھا گیا ہے، جو اب تک عموماً طلبہ یا ایسے اساتذہ جنھون نے اپنی طالب علمی کا زمانہ فوراً ہی ختم کیا ہے، ایک مقررہ مدت کے اندر ڈگری دینے والون کے خیالات سے متاثر ہو کر اس عہد پر کتابین لکھتے رہے ہین، جس مین انھون نے کم سے کم مدت مین زیادہ سے زیادہ باتین پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اسی لئے ان مین سے بعض کی تحقیق مین گہرائی، رائے مین پختگی اور دلیلون مین وزن نہین، ان مین کچھ ایسے بھی ہین جنھون نے فارسی نہ جاننے کے باوجود دوسرون پر بھروسہ کرکے اپنی تحقیقات کی ساری عمارت فارسی کی اوریجنل کتابون پر کھڑی کر دی ہے، اور بعض ایسے بھی ہین جنھون نے مسلمان حکمرانون کے مذہب کے اصول و قوانین کا گہرا مطالعہ کئے بغیر کسی دوسرے کی رائے کا حوالہ دیکر یا کسی کے قول کو نقل کرکے اپنے خیال کے مطابق نتائج اخذ کرلئے ہین، یہ دیکھ کر تعجب اور افسوس ہوتا ہے کہ بعض تاریخی تحقیقات مین اسلامی شریعت کی وضاحت انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی مدد سے کی جاتی ہے، اسلامی فقہ کے نکتے میکڈانلڈ کی کتاب کے ذریعہ سے بتائے جاتے ہین، اسلامی مسائل کا حل ریورنڈ ہیوز کی ڈکشنری آف اسلام سے پیش کیا جاتا ہے، مسلمانون کی حکومت بادشاہی اور مالیات کے نظریے آرنلڈ اور اگلائی نڈیز (Aghnides) کی عینک سے دیکھے جاتے ہین،

اس غلط طریق کار کا نتیجہ یہ ہے، کہ اب گو نہ وہ فاتح رہے ہین، اور نہ مفتوح، مگر زمانہ کے تطاول سے ان کے زمانہ کے پیدا شدہ جذبات کے سوکھ جانے والے درخت کو پانی دے دے کر ہرا کیا جا رہا ہے، اور ہم تحقیق کے نام سے اپنے پیشرؤون کی غلطی کی غلط پیروی مین مصروف ہین،

یوروپین مستشرقین نے اسلامی علوم و فنون کی جو خدمت کی ہے، اس کا اعتراف ہے، مگر مذہبی شرعی اور فقہی معاملات مین ان کی تحقیق یا رائے یا قول پر کسی حال مین بھی اعتماد نہین کیا جا سکتا، ہو اس لئے مسلمان فرمانرواؤن کے کسی رویہ یا پالیسی کو ان کے مذہب کی روشنی مین اگر دیکھنے کی کوشش بھی کیجائے، تو مذہبی معلومات کا ماخذ اور سرچشمہ خود مسلمان علماء و فقہا کی اوریجنل، مستند اور معتبر کتابین ہونی چاہئین، لیکن زبان کی ناواقفیت کی وجہ سے ان کتابون کا سمجھنا ممکن نہ ہو، تو پھر ایسے موضوع اور مسئلہ پر قلم اٹھانے کا حوصلہ ہی نہ کیا جائے، نیت خواہ کتنی ہی اچھی اور صاف ہو مگر مذہبی مسائل کی غلط تعبیر اور ملکی امور مین ان کی غلط تطبیق سے بعض اوقات ایسے مضرت رسان پہلو پیدا ہو جاتے ہین جن سے ایک طرف تو حقیقت کا خون ہوتا ہے، اور دوسری طرف قومون کے جذبات مین تلخی پیدا ہوتی ہے، یہان پر ہمارے دوستون کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان کے مسلمان سلاطین مسلمان ضرور تھے، لیکن وہ اسلام کے نمایندے نہ تھے، وہ اسلام کے نام لیوا بن کر حکومت کے تخت کو جلوہ دیتے تھے، مگر ان کی حکمرانی کا طرز اور فرمانروائی کا اصول خالصۃً اسلامی نہ تھا، وہ مذہباً تو مسلم اور نسلاً ترک یا پٹھان یا ہندو تھے، اس لئے ایک یادو یا کئی نسل کے مسلمان ہونے کے باوجود اسلام کی صحیح تصویر نہ تھے، اور نہ ان کی سیاست اسلامی سیاست تھی، اور نہ ان کی حکومت ٹھیک اسلامی طرز کی تھی، اور نہ ان کے سپہ سالار اور فاتح

اپنے مفتوحہ ملکون کے ساتھ اسلامی طریقے کا پورا پورا برتاؤ کرتے تھے، اس بحث کے سمجھنے کے لئے سلطان علاء الدین خلجی اور قاضی مغیث الدین کی وہ طویل گفتگو پڑھیے، جس کو برنی نے فیروز شاہی میں لکھا ہے، یا محمد شاہ تغلق کی ان خونریزیون پر ایک نظر ڈالی جائے، جس کے مقتولین مین ہندوؤن اور مسلمانون کی تخصیص نہ تھی، غور کیجئے، کہ محمد بن قاسم ثقفی کی عربی فوج نے ۹۲ھ مین جب بودھون کے بلاد سے پر سندھ مین قدم رکھا تو پہلے ہی دن ان عربون نے ہندوؤن کی حیثیت شرعی کو متعین کرلیا، اور ان کو وہی حیثیت دی، جو ان سے پہلے صحابہ نے اہل فارس کی قرار دی تھی یعنی شبہ اہل کتاب، جس کے معنی یہ ہین، کہ دو باتون کے سوا یعنی نکاح اور ذبیحہ کے علاوہ اور تمام امور مین ان کے ساتھ اہل کتاب کا برتاؤ کیا جائے گا، نیز یہ کہ یہان کے مندرون کی حیثیت ایران کے آتشکدون کی ہے، جس طرح صحابہ نے آتشکدے نہین توڑے، اوسی طرح مصالحت ہوجائے تو یہ مندر بھی توڑے نہین جائین گے چنانچہ سندھ اور ملتان مین چوتھی صدی تک اسلامی حکومتون کے باوجود یہ مندر اسی طرح قائم رہے، مورخ بلاذری نے یہ حالات لکھے ہین، اور اکثر عرب سیاحون نے ان کی کیفیت بیان کی ہے،

لیکن افسوس ہے کہ ترک سیاحون نے جوش جہاد کے علاوہ صلح و جنگ اور فتح و غنیمت اور محاصل و مداخل کے تمام اسلامی اصولون کو فراموش کردیا، اور ان کے ان کامون کی ذمہ داری شریعت اسلام پر رکھی جاتی ہے، حالانکہ اسلامی اصول سے ذمیون کے معاملات کا فیصلہ ایک حد تک باہمی معاہدات کی دفعات پر ہے، اور نیز یہی فقہی مسئلہ ہے کہ پرانے مندر توڑے نہ جائین گے، اس قسم کے خلط ملط مباحث سے ہندوستان کے مسلمان سلاطین کی تاریخ ایک زمانہ سے جھگڑے کی چیز بن کر رہ گئی ہے، یا تو ان کی اور ان کے مذہب کی تصویر بہت ہی بُری اور بھیانک دکھائی جاتی ہے یا پھر دوسری طرف اون کی حمایت اور مدافعت مین ہر قسم کا زور صرف کیا جاتا ہے، یا پھر دونون گروہ ایک دوسرے کی نکتہ چینی کرتے ہین، کچھ محققین ایسے بھی ہین، جو کسی سلطان کی حکومت کی تاریخ لکھتے وقت اس کی خوبیان بھی ظاہر کرتے ہین، اور اس کی برائیان بھی دکھاتے ہین، مگر ان مین سے ایسے مصنفون کی تحریر بڑی گمراہ کن ہوتی ہے، جو چند خوبیان محض اس لئے بیان کرنے کی کوشش کرتے ہین، کہ ان خوبیون کی آڑ مین وہ بڑی سے بڑی برائیون کا زہر پھیلانے مین کامیاب ہون، اور وہ مخالف نکتہ چینی کے الزام سے بھی بچے رہین، حالانکہ ضرورت اس کی ہے کہ بغیر تصنع کے حق کو حق اور باطل کو باطل کہدیا جائے،

غرض مسلمان سلاطین کی تاریخ لکھتے وقت یہ بات ہم سب کے سامنے رہنی چاہئے، کہ وہ مسلمانون کے بادشاہ ضرور تھے لیکن اسلام کے مذہبی پیشوا اور مصلح نہ تھے، جن کا ہر فعل اور عمل برائیون اور کمزوریون سے بالاتر ہوتا، اس لئے انھون نے اگر اپنی سیاست مین کوئی ناروا اور نامناسب رویہ اختیار کیا تو آج ہم کو اس کے لئے نہ معذرت نامہ پیش کرنے کی ضرورت ہے، نہ شرم سے سر جھکانے کی، وہ کونسی قوم ہے جس کے بادشاہ اور کشورکشا ہر معیار پر ہر زمانہ مین پورے اترے، اور ہر اعتراض سے پاک گذرے، ایسون اور بدون سے تاریخ کا کوئی دور خالی نہین رہا، اس لئے شخص کی بحث مین مذہب کو درمیان مین لانا غلطی ہے، خاص کر یہ غلطی اس قسم کے موقعون پر ہندو ہندوستان، اور عیسائی ہندوستان کے دور کے بیان مین کبھی زیر عمل نہین آتی تاریخ کا مقصد پروپگنڈا نہین بلکہ وہ واقعات کی کہانی اور قومون کی سوانحعمری ہے، اور اسی حیثیت سے ان واقعات کا ذکر کرنا چاہئے، انگلستان کی تاریخ کیا لڑائیون کا دنگل نہین، اور ان فتوحات سے موجودہ متحدہ اینگلوسکسن حکومت تک کیا وہان قومون کی جنگین نہین ہوئین، کیا اسکاٹ لینڈ ویلیز، آئرلینڈ اور انگلینڈ کے درمیان بڑی بڑی خونریزیان نہین ہوئین، مگر اب ان کی تاریخ لکھتے وقت یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ یہ واقعات اس انداز مین بیان نہ ہون، کہ پچھلے سوئے ہوئے فتنے

پھر جاگ جائین، انگلستان اور فرانس جو آج ڈیڑھ سو برس سے اتحادی ہین، کیا ان کی تاریخ کی زمین دونون قومون کے خون سے رنگین نہین، تاہم گذشتہ ناگواری کے اظہار مین قلم اس قدر محتاط رہتا ہے، کہ موجودہ خوشگواری کے شیشہ مین بال بھی آنے نہین پاتا، اسی طرح پرانے ہندوستان کے راجاؤن مین کون وقت لڑائی بھڑائی اور ایک دوسرے کے راج کے لینے دینے مین نہین گذرا، پھر بھی بودھ، جین، ویدک، برہمنی، آریائی اور سیتھین اور یہان کی قدیم باشندہ قومون کی لڑائیون کے بیان مین مورخون نے اپنی قلمی لڑائیون کا سلسلہ نہین چھیڑا ہے، حالانکہ ان مین سخت مذہبی اختلافات بھی تھے، اور یہ صحیح قدم ہے، اسی طرح کا مصالحانہ قدم اسلامی تاریخ کے اس دور کے میدان مین بھی رکھنا چاہئے، میری یہ تمہید گو لمبی ہوگئی، اور ممکن ہے کہ اس بیان مین کہین کہین تلخی بھی آگئی ہو، مگر جس درد سے یہ باتین کہی گئی ہین، امید ہے کہ وہ اسی درد سے سُنی بھی گئی ہون گی، اور ہمارے مورخ دوستون کی توجہ کے قابل ٹھہرین گی، اس مجلس سے بہتر اور کونسا موقع اس درد کے اظہار کا ہوسکتا تھا،

اب ہم ہندوستان کی اسلامی تاریخ کے اس عہد کی نسبت کچھ عرض کرنا چاہتے ہین، جو ہمارے پیش نظر ہے، اس عہد کی تاریخ لکھنے مین سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ اس دور کی تاریخ کا سرمایہ ہمارے پاس بہت کم ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تیموریون کی طرح اوس زمانہ کے بادشاہون نے اپنے عہد کی تاریخ نویسی کو سرکاری کام نہین قرار دیا تھا، بلکہ عموماً اہل تاریخ اس کام کو اپنے شوق سے انجام دیتے تھے، گو وہ کسی نہ کسی طرح بادشاہ کے دامن سے ضرور لپٹے تھے، تاہم وہ اس کام کے لئے متعین نہ تھے، آج کل قومون کی تاریخ کی نقش آرائی مین خون ہی کا رنگ درکار نہین، بلکہ اس زمانہ کے تمدن، اقتصاد، تعمیر، معاشرت، علم و فن اور طریق جنگ وغیرہ کے ایسے معلومات کی ضرورت پڑتی ہے، جن سے اس قوم کی پوری تصویر کھڑی ہوجائے، لیکن اوس زمانہ کے پرانے مورخون نے اپنے مذاق کے مطابق اپنی تاریخین لکھین، اس لئے جو مسائل ان کے نقطۂ نظر سے اہم تھے، وہ ہمارے لئے غیر اہم ہین، اور جن مسائل کو ہم ضروری سمجھتے ہین، ان کو انھون نے غیر ضروری سمجھ کر یا تو نظرانداز کردیا ہے، یا بہت ہی اختصار کے ساتھ لکھا ہے، تاہم اگر آج کل کے لکھنے والون کے حوصلے بلند اور ارادے اچھے ہون تو ان ہی معاصر تاریخون سے اپنی ضرورت کا اچھا خاصہ مواد فراہم کرسکتے ہین، میرے استاد مولانا شبلی مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ وہ اپنی تحقیق مین چیونٹیون کے منہ سے شکر کے دانے جمع کرکے مٹھائی تیار کیا کرتے ہین، اگر اسی طرح صبر، محنت اور استقلال کو راہ دیکر کوئی ریسرچ کرنے کی کوشش کرے تو کوئی وجہ نہین کہ ہر موضوع پر اس کو ہر قسم کے معلومات نہ ملتے جائین، مگر موجودہ دور کے محققین کے مشاغل اس قدر گوناگون ہین، اور محنت کے بھی ابھی زیادہ عادی نہین ہوئے ہین، اس لئے ان کی کوشش صرف یہ ہوتی ہے کہ معاصر تاریخون مین جو واقعات اور تفصیلات فارسی زبان مین سیدھے سادے طریقے پر درج ہین، وہ اپنے اپنے ذوق کے مطابق انگریزی اردو اور ہندی زبان مین تھوڑی تنقید اور نکتہ چینی کے ساتھ منتقل کردین، اسی طرح انگریزی اردو اور ہندی مین لٹریچر فراہم ہو کر ان زبانون کی تو خدمت ہوجاتی ہے، یا اوسط درجہ کے علم اور تاریخی مذاق رکھنے والون اور یونیورسٹی کے طالب علمون کے لئے تو کتابین حاصل ہوجاتی ہین، مگر ان تحقیقات سے صحیح معنون مین گذشتہ عہد کی قومون کی موجودہ نسلون کی نہ ذہنی پیاس بجھتی ہے، اور نہ وہ اپنے ماضی کی صحیح تصویر دیکھ کر اپنے مستقبل کو امید افزا پاتے ہین، کیونکہ ماضی اگر شاندار ہے تو مستقبل کو شاندار بنانے مین حوصلہ بڑھتا ہے، اور قومی خودی پیدا ہوتی ہے، اسی لئے کسی قوم کو نقصان پہنچانے کا ایک کارگر حربہ یہی ہوتا ہے کہ اس کا ماضی خود اس کے سامنے بہت ہی بُرے اور نفرت انگیز طریقے پر پیش کیا جاتا ہے، جس

ے وہ شعوری اور غیر شعوری طور پر متاثر ہو کر اپنی تمام تاریخی اور تمدنی روایات سے رفتہ رفتہ متنفر ہوجاتی ہے، اتفاق سے اس قسم کے حربے سے فائدہ اٹھانے کے لئے معاصر تاریخون مین ہر طرح کا مسالہ موجود ہے،

یہ معاصر فارسی تاریخین عہد سپہ گری مین ایرانی مذاق کے مطابق لکھی گئین، اس زمانہ مین سب سے بڑا ذاتی وصف سپہگری مین کمال حاصل کرنا تھا، ہر فرد اپنا جوہر میدانِ جنگ مین دکھانا فخر سمجھتا تھا، اہلِ قلم اہلِ سیف کی طرح لڑائی کے میدان مین شریک نہ ہو سکتے تھے، تو اپنی سپہگری کے سارے جذبات کاغذ کے صفحات پر منتقل کرنے کی کوشش کرتے تھے، اسی لئے ان کی ساری تاریخین جنگ و جدل اور معرکہ آرائی کا مرقع ہین، جن کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے، کہ اس عہد کی تاریخ محض کشت و خون کی داستان ہے، مورخون کے ان ذاتی رجحانات کی بنیاد پر تاریخ کے بہت سے اہم رُخ پر پردے پڑ گئے ہین اور اب معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے سلاطین نے لڑنے بھڑنے کے سوا کچھ اور کام ہی نہین کیا، انگریزی دان طبقہ پر یہ خیال تاریخ اِم، ایلیٹ کی تاریخ ہند کے ذریعہ سے اور بھی زیادہ گہرے طور پر منقوش ہوا، ہنری ایلیٹ کا یہ احسان ناقابلِ فراموش ضرور ہے کہ اس نے غیر معمولی تلاش و جستجو سے ہندوستان کی کمیاب اور نادر عربی جغرافیون اور فارسی تاریخون کا پتہ لگا کر ان کے انگریزی ترجمے اور اقتباسات اپنی مذکورہ بالا کتاب مین محفوظ کر دیے ہین، اور آج بہت سے محققین کے لئے وہ ہدایت کا چراغ ہے، مگر یہ کہنا پڑے گا کہ ایلیٹ نے ان ترجمون مین دیانتداری سے کام نہین لیا، جن کتابون کے ترجمے اور اقتباسات اس نے اپنی کتاب مین شامل کئے ہین، ان مین جا بجا علمی، تمدنی، عمرانی اور غیر سیاسی تفصیلات کچھ نہ کچھ ضرور ہین، لیکن ان کو اس نے قصداً حذف کر دیا ہے، اب فارسی سے ناآشنا اور ایلیٹ کی کتاب کو اپنا گائڈ بنانے والا محقق مسلمان سلاطین کے عہد کو صرف خون آلود اور خون آشام پاتا ہے، جس کے ذہنی اثرات مدتون کی تحقیق و کوشش کے بعد بھی مشکل سے مٹ سکین گے، ایلیٹ شروع انگریزی عہد کا آدمی ہے، اور یہ ایک گونہ سرکاری حیثیت بھی رکھتا ہے، اور اس نے اپنے کام کا مقصد چھپا کر نہین رکھا ہے، اس نے صاف طور سے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ اس کے پیشِ نظر تمام تر یہ ہے کہ اپنے اگلے پیشرو او حاکمون کے غیر منصفانہ عہد کی تاریکی کو دکھا کر اپنی قوم کے عہدِ حکومت کی روشنی دکھائے، تاکہ ہندوستان کے رہنے والے اس کو سایۂ رحمت سمجھکر اس کو اطاعت مندانہ اخلاص کا خراج ہمیشہ پیش کیا کرین، (دیباچہ ص ۲۲)

ابھی عرض کیا گیا ہے کہ ہندوستان کی تاریخین ایرانی ذوق کے مطابق لکھی گئی ہین، مختلف مورخون نے تاریخین لکھکر زیرِ نظر عہد کے سیاسی واقعات تو مسلسل اور مربوط طریقہ پر مرتب کر دیے ہین، لیکن ان ایرانی مذاق کے مورخون نے بادشاہی دربارون سے باہر نکل کر دنیا کو دیکھنے کی کوشش نہین کی، ان کے نزدیک بادشاہ کا دربار ہی ساری دنیا تھی، عرب اور ایرانی مورخون کے نقطۂ نظر مین بڑا فرق ہے، عرب مورخ دربار کا مورخ نہین ہوتا، بلکہ زمانہ کا مورخ ہوتا ہے، اسی لئے اس کی تاریخ کی تقسیم بادشاہون کے نام پر نہین بلکہ سال پر ہوتی ہے، طبری، ابن اثیر، ابوالفدا وغیرہ مورخون نے اسی طرز پر اپنی تاریخون کی بنیادین ڈالی ہین، عرب کا مورخ نہ صرف بادشاہون کی جنگ و صلح کے واقعات کو زیرِ تحریر لاتا ہے بلکہ ضمناً اس زمانہ کے تمدنی، علمی اور معاشی حالات بھی قلمبند کرتا جاتا ہے گو ان مین ترتیب نہین ہوتی، ابن بطوطہ کو دیکھیے کہ مغربِ اقصیٰ کے اس سیاح کے ہاتھون محمد تغلق کے عہد کا جیتا جاگتا، واضح اور روشن مرقع ہمارے سامنے موجود ہے، وہ اس دور کے کسی اور سلطان کی حکومت کو نہین ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ مین بہت سے سیاسی واقعات ایسے بھی لکھے ہین جن کا فارسی تاریخون مین بہت کم پتہ چلتا ہے لیکن تحقیقات نے ان کی صحت و درستی کو ثابت کر دیا ہے، جیسے معبر یا کارومنڈل مین حسن کیتھلی کی [illegible] ریاست کا اس نے ذکر کیا ہے اس کا ثبوت آثارِ قدیمہ کے سکون نے بہم پہنچایا، اور حیدرآباد کے حکیم شمس اللہ قادری نے ۱۹۲۲ء مین سلاطین معبر کے

نام سے اس پر ایک اچھا مقالہ لکھا ہے، ملتان کے مدرسہ کا نام صرف ابن بطوطہ نے بتایا ہے، سندھ کے سومری بادشاہون کی حقیقت بھی ابن بطوطہ سے معلوم ہوئی، ہندوستان اور چین کی بحری تجارت کا حال اور جہازون کی آمد و رفت کی کیفیت بھی اسی سے معلوم ہوئی، بنگال کا نقشہ اس نے فارسی کے دو حرفون مین کھینچا ہے "جہنم پر از نعمت"، ترکستانی ترکون نے بھی اس کو یہی لقب دیا تھا، ملیبار مین اسلامی آبادیون کا ذکر اسی نے کیا ہے، سندا پور یعنی گوا کی غرب اسلامی سلطنت کا حال اسی سے معلوم ہوا، ہنور احاطہ بمبئی کے عرب سلطان کی داستان اسی نے سنائی، ملیبار اور جزائر کے ہندو راجاؤن کے قصے اسی سے معلوم ہوئے،

محمد تغلق نے چونکہ مصر کے عباسی خلیفہ سے تعلق پیدا کر لیا تھا، اس لئے ہندوستان اور مصر کے درمیان سفیرون، سیاحون اور علما کی آمد و رفت کا دروازہ کھل گیا تھا، اور اس راہ سے اس زمانہ کی ہندوستان کی تاریخ کا بہت سا سامان عرب مورخون کے بھی ہاتھ آیا، چنانچہ اس عہد کے مصری مورخ ابن فضل اللہ المتوفی ۷۴۹ھ (۱۳۴۸ء) نے اپنی مسالک الابصار فی ممالک الامصار مین اس زمانہ کے ہندوستان کے جو تمدنی و تجارتی اور اقتصادی اور فنی حالات لکھے ہین، اس عہد کی پوری فارسی تاریخ مین نہین مل سکتے؛ کیا ہندوستان کے کسی فارسی تاریخ مین آپ کو یہ مل سکتا ہے، کہ ان سلاطین کے زمانہ مین ہندوستان کی تعلیم کا کیا حال تھا، اور کتنے مدارس قائم تھے، لیکن ابن فضل اللہ کا بیان سنئے جو لکھتا ہے کہ محمد تغلق کے زمانہ مین صرف دلی مین ایک ہزار مدرسے، اشفاخانے اور دو ہزار خانقاہین تھین، یا وہ مشہور شاہی مدرسہ جو فیروز شاہ تغلق کے زمانہ مین دلی مین شاہانہ فیاضی سے قائم ہوا تھا، وہ کیسا تھا، اس کی تعلیم کیا تھی، کون کون بڑے بڑے مدرسین تھے، فارسی کی لفاظانہ انشا پردازی مین اس کا بیان گو برنی نے صفحون مین کیا ہے، مگر اس کا حاصل کچھ نہین، بدر چاچ اور مطہر کڑہ اس عہد کے دو شاعرون نے اس مدرسہ کا جو ذکر اپنے قصائد مین کیا ہے اس کو پڑھکر اس کی عظمت کا اندازہ کرنے کے لئے ہم آج بے قرار ہین مگر نہین کر سکتے،

مسالک الابصار کے بیان کا یہ حصہ جو ہندوستان کی تاریخ سے متعلق ہے فرانسیسی اور انگریزی مین ترجمہ ہو گیا ہے، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ عرب مورخ کی نگاہ مین کتنی وسعت ہوتی ہے، ابن فضل اللہ کے بعد مصر کے دوسرے مورخ قلقشندی المتوفی ۸۲۱ھ نے اپنی کتاب صبح الاعشیٰ فی کتابۃ الانشا مین اس حصہ کو نقل کر دیا ہے، اور ہماری اکاڈمی نے چودہ برس ہوئے کہ اس کا ترجمہ معارف دسمبر ۱۹۳۱ء مین شائع کر دیا ہے، اس عہد کے عرب سوانح نگارون نے بھی آٹھوین اور نوین صدی ہجری کے اکابر کے حالات مین اپنے زمانہ کے ہندوستانی بادشاہون کو بھی جگہ دی ہے، جیسے ابن حجر مصری نے الدرر الکامنہ فی اعیان المائۃ الثامنہ مین، شوکانی یمنی نے البدر الطالع فی القرن التاسع مین جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے متعدد سلاطین فضل و کمال کے لحاظ سے اہلِ علم مین شمار کئے جانے کے لائق تھے،

اگر ہر دور مین ایک ابن بطوطہ، ایک ابن فضل اللہ، اور ایک ابو العباس احمد قلقشندی ہوتا، تو آج ہندوستان کے زیرِ نظر عہد کی تاریخ اس سے بالکل مختلف ہوتی، جو آج نظر آتی ہے، تیموریون کے مقابلہ مین سلاطین دہلی کا زمانہ عام طور سے اہم نہین سمجھا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ نہین کہ اس عہد کے سارے حکمران ادنی درجہ کے تھے، یا ان کا نظام سلطنت اتنا مکمل و مرتب نہ تھا، جیسا کہ ان کے بعد کے فرمانرواؤن کا تھا، بلکہ اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ ان کی سیاسی سطوت اور تمدنی عظمت کی صحیح تصویر پیش کرنے والا کوئی مورخ پیدا نہین ہو سکا، اور نہ خود ان سلاطین نے اپنے شاندار ملکی، جنگی اور کلچرل کارنامون کو باضابطہ تحریر مین لانے کی کوشش کی، اگر اس دور مین کم از کم کوئی ابو الفضل، کوئی عبد الحمید لاہوری، کوئی عبد الباقی نہاوندی اور کوئی محمد کاظم بھی پیدا ہو جاتا تو ان سلاطین کی تاریخ ویسی ہی پر شکوہ اور باوقار معلوم ہوتی، جیسی وہ درحقیقت تھی، موجودہ دور کے محققین کا اب یہ فرض ہے کہ اس زمانہ کے تاریخی سرمایہ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالین، اور مورخین کی گذشتہ تغافل کی

تلاش کرین، اس عہد کا جو کچھ تاریخی لٹریچر ہے، وہ زیادہ تر یا تو یورپ یا کسی اور جگہ کے کتب خانون مین قلمی نسخون کی شکل مین
زینت و آرائش کی خاطر رکھ چھوڑا گیا ہے، ان کتب خانون مین بیٹھکر جو کوئی بھی ان قلمی نسخون کے ذریعہ سے اچھے اور بُرے صحیح
و غلط معلومات فراہم کر دیتا ہے، ہم انہی پر اکتفا کر لیتے ہین، ان کی تحقیقی اور غیر تحقیقی تعبیر و تصریح پر ہم کسی قسم کی روشنی ڈالنے
سے بالکل قاصر رہتے ہین، اگر غیر مطبوعہ لٹریچر طبع اور شائع ہو کر سہولت سے ملنے لگے، تو محققین کا کام بہت ہی آسان اور ہلکا ہو جائے،
ہم بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے ممنون ہین کہ اس کی طرف سے بہت سی کتابین شائع ہو گئی ہین، علی گڈھ کے اساتذہ
نے بھی مفید کتابون کا اضافہ کیا ہے، اگرہ یونیورسٹی لاہور اورنٹیل کالج اور حیدرآباد کے کچھ اصحاب قلم نے بھی بعض قلمی
نسخون کو محنت کے ساتھ اڈٹ کرکے تاریخ ہند کے شائقین کو ممنون منت کیا ہے، مگر پھر بھی بہت سا ایسا لٹریچر ہے جس
کے نہ ملنے کی وجہ سے محققین کی راہ مین ہر قسم کی رکاوٹین ہین، اس لئے اگر خود کانگریس یا تاریخ کا کوئی ادارہ ایسا قائم ہو جائے
کہ ان کتابون کا پتہ لگائے، ان کی نقلین اور فوٹو بہم پہنچائے، یا اُن کو اڈٹ اور شائع کرکے اہلِ تحقیق کے ہاتھون تک پہنچائے،
تو ایک بہت بڑی کمی پوری ہو جائے، مثلاً غلامون کے عہد مین حسن نظامی نے تاج المآثر مین بعض غلام سلاطین کے حالات
لکھے ہین، لیکن اس کی عبارت آرائی کی وجہ سے اس کی تاریخی اہمیت نہین دی جاتی، اور یہ کہکر اس کو نظر انداز کر دیا
جاتا ہے کہ اس مین واقعات کم اور الفاظ کا طومار زیادہ ہے، شاید اسی لئے یہ اب تک نہین چھپ سکی ہے، اس مین واقعات کم
ہون، مگر اس کی سطرون کے درمیان بعض ایسی ضروری چیزین ملجاتی ہین جن سے اس زمانہ کے بعض تمدنی کلچرل اور عمرانی
پہلو واضح ہو جاتے ہین، جس طرز کی عبارت اس مین استعمال ہوئی ہے، اس سے اس زمانہ کے علمی اور انشا پردازانہ
ذوق کا بھی اندازہ ہوتا ہے، اس کے شائع ہونے سے اس عہد کے تاریخی اور علمی حالات کا جائزہ لینے مین کچھ نہ کچھ
ضرور مدد مل سکتی ہے، التمش کے زمانہ حکومت مین آداب الحرب و الشجاعہ لکھی گئی، جو اس عہد کے حربی و فوجی معلومات
کے لئے ایک بیش قیمت ماخذ ہے، اورنٹیل کالج لاہور نے اس کا کچھ حصہ شائع کیا ہے، مگر اس کے مکمل نسخہ کی کمی غیر معمولی طریقہ
پر محسوس ہو رہی ہے، اسی زمانہ مین محمد عوفی نے التمش کے دربار مین رہ کر جامع الحکایات و لوامع الروایات لکھی، جو گو نقلون
اور کہانیون پر مشتمل ہے لیکن ان سے بعض اوقات بہت سی تاریخی اور معاشرتی تفصیلات واضح ہوتی ہین، ضیاء الدین
برنی نے اپنی تاریخ فیروز شاہی مین طبقات ناصری، تاج المآثر اور جوامع الحکایات کے مؤلفون کے علاوہ کبیر الدین ابن
تاج الدین عراقی کا بھی نام لیا ہے، جس نے علاء الدین خلجی کی فتوحات کی تاریخ لکھی تھی، لیکن اس کتاب کا ابتک کہین پتہ نہین
چل سکا ہے، تیموریون کے آخری دور کے ہندو مورخ سبحان رائے نے اپنی خلاصۃ التواریخ مین عز الدین خالد خانی کی
کتاب تاریخ فیروز شاہی مین کیا ہے، لیکن اس کے متعلق بھی اب تک کسی کتب خانہ مین کوئی پتہ نہین چلا، خالد خانی کی
ایک دوسری تصنیف دلائل فیروز شاہی کا ذکر فرشتہ نے کیا ہے مگر وہ اقسام حکمت علمی و عملی مین ہے، تاریخ فیروز شاہی کے مؤلف شمس سراج
عفیف کی ایک کتاب مناقب سلطان محمد بھی لاپتہ ہے، ایک نامعلوم مصنف کی ایک اہم کتاب سیرت فیروز شاہی کا واحد نسخہ خدابخش خان
کے کتب خانہ پٹنہ مین موجود ہے، مگر اب تک کسی اہل علم یا ادارہ نے اس کو شائع کرنے کی تکلیف گوارا نہین کی ہے، امیر تیمور کی طرف دو کتابین
تزک تیموری اور ملفوظات تیموری منسوب ہین دونون ایک ہی چیز ہین مگر بمبئی کے مطبوعہ نسخہ تزک تیموری اور اسٹیورٹ کے اقتباسات
ملفوظات تیموری مین بڑا اختلاف ہے، ملفوظات تیموری، مترجمہ ابو طالب حسینی کو تو جعلی بتایا گیا ہے، لیکن اس کی تحقیق اب تک نہین
ہوئی ہے کہ بمبئی کا مطبوعہ نسخہ تزک تیموری مستند ہے، یا غیر مستند، لودیون کی کسی معاصر تاریخ کا پتہ اب تک معلوم نہین ہو سکا ہے،

طبقات اکبری، تاریخ فرشتہ، واقعات مشتاقی اور تاریخ داؤدی سے اس خاندان کی تفصیلات معلوم ہو جاتی ہین، مگر یہ تمام
کتابین تیموریون کے دور مین لکھی گئین، اسی طرح یہ یقین کرنے کو جی نہین چاہتا ہے کہ سوریون کے زمانہ مین ان کی حکومت کی کوئی تاریخ
مرتب نہ ہوئی ہوگی، یا تو اس عہد کی معاصر تاریخین نظرون سے اوجھل کہین پڑی ہین، یا تلف ہو گئی ہین، تیموریون کے دور مین سوریون
کے حالات تاریخ شیر شاہی (مؤلفہ عباس خان سروانی) مخزن افغانان (مؤلفہ نعمت اللہ) اور تاریخ داؤدی (مؤلفہ عبد اللہ) مین
لکھے گئے، عباس خان سروانی کی تاریخ شیر شاہی ایک اہم اور مفید لٹریچر ہے جو اگر چھپ کر محققین کے ہاتھون تک پہنچ جائے تو ایک مفید کام ہو،
بابر کی تاریخ کے لئے خود اس کی تزک بابری اور اس کے خالہ زاد بھائی میرزا حیدر دوغلت کی تاریخ رشیدی اہم کتابین
ہین، تزک بابری کے انگریزی ترجمے کو جن مفید حواشی اور تشریحات کے ساتھ اے، اس، بیورج نے شائع کیا ہے اس کا احسان کی
گران باری ہمیشہ رہے گی، اس کے اوریجنل ترکی نسخہ کی تو نہین مگر اس کے اس فارسی ترجمہ کے طبع ہونے کی پھر بھی ضرورت ہے
جو عبد الرحیم خان خانان نے اکبر کے لئے کیا تھا، تاریخ رشیدی مین وسط ایشیا کے مغلون اور خصوصاً چغتائیون کے حالات زیادہ ہین
مگر یہ کتاب ہندوستان مین لکھی گئی، اور بابر اور ہمایون کے متعلق بعض مفید معلومات فراہم کرتی ہے، مسٹر ڈےنی سن روس اس کا
انگریزی ترجمہ کرکے اس کتاب کے اوریجنل فارسی نسخہ سے محققین کو ضرور بے نیاز کر دیا ہے، مگر ترجمے خواہ کتنے ہی صحیح اور مستند ہون لیکن
ان ہی پر بھروسہ اور اعتماد کرنا تحقیق کے اعلی معیار کو کم کرنا ہے، بعض اوقات ان ترجمون کی غلطیون اور کمزوریون سے واقعات کے
استنباط اور نتائج کے اخذ کرنے مین جو غلط فہمیان پیدا ہو گئی ہین، ان کا ہلکا سا اندازہ مسٹر ہوڈی والا کی کتاب Studies
in Indo-Muslim History کے مطالعہ سے ہوگا، اس کتاب مین مسٹر ہوڈی والا نے ایلیٹ کی جو غلطیان دکھائی ہین ان کو
پڑھنے کے بعد محققین کو ایلیٹ پر شاید اعتماد کلی باقی نہ رہا ہوگا، اسی طرح تاریخ یمینی طبقات ناصری اور تاریخ فرشتہ کے انگریزی ترجمہ
پر جو نکتہ چینیان ہوتی رہی ہین، ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے ترجمون کی زیادہ اہمیت تحقیق کے سلسلہ مین نہین دی جا سکتی ہے،
حضرات! مجھ سے پہلے شاید اس کرسی سے آپ کی توجہ اس بات کی طرف دلائی گئی ہوگی کہ مرکزی حکومتون کے ساتھ ساتھ
مختلف صوبون مین جن خاندانون نے حکمرانی کی، ان کی تاریخ نظر انداز کرنے کے لائق نہین ہے، اول تو صوبون کے والیون ہی
کے مختلف کارنامون کی اتنی تفصیلات ہین کہ ان کو قلمبند کیا جائے، تو ہر صوبہ کی علحدہ علحدہ تاریخ ہوگی، پھر مرکزی حکومتون
کی حریف یا باجگذار ریاستین تو مستقل تاریخ کی مستحق ہین، احسن آباد گلبرگہ کے بہمنی خاندان بیجاپور کے عادل شاہی سلاطین
تلنگ کے قطب شاہی بادشاہون برار کے عماد شاہی حکمرانون اور بیدر کے برید شاہی والیون نے جنوبی ہندوستان کی سیاست،
معاشرت، تمدن اور آرٹ پر گہرے نقوش چھوڑے ہین، مالوہ اور منڈو مین خلجی، برہان پور مین فاروقی خاندان اور گجرات مین مظفر شاہی
حکمرانون کے کارنامے فراموش نہین کئے جا سکتے ہین، گجرات کی خود مختار سلطنت اپنی علمی و تجارتی و بحری ترقیون مین دلی کی مرکزی
سلطنت سے کہین بڑھ کر ہے، اسی طرح بیجا نگر کی تاریخ بھی ہماری توجہ کی مستحق ہے اور یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہین کہ اس
ہندو سلطنت کی جنگی طاقت مین مسلمان سپاہیون کو بھی خاص حیثیت حاصل تھی، ٹھٹھہ اور سندھ مین ایبک اور التمش
کے حریف حکمرانون تاج الدین یلدوز اور ناصر الدین قباچہ کا دربار دلی کے دربار سے کم پر شکوہ اور پر وقار نہین رہا، ناصر الدین قباچہ کے
بعد یہان خاندان جام کی حکومت قائم ہوئی، تو اس کے تاریخی واقعات بھی گوناگون رہے، ملتان کے لنگاہ سلاطین کی حربی عظمت اس دور
مین اس لئے بھی کہ ان کی حکومت ایک اہم سرحد پر واقع تھی، جنت نظیر کشمیر کے بادشاہون کے حالات تاریخی لٹریچر کے لئے دلچسپ مواد فراہم کرتے ہین
مذکورہ بالا حکومتون اور فرمانرواؤن کی تاریخ کی تدوین کے لئے ابھی حال ہی سے ہمارے موجودہ محققون نے اپنی علمی جدوجہد کا

ثبوت دینا شروع کیا ہے، عثمانیہ یونیورسٹی کے بعض اساتذہ دکن کی بعض حکومتوں خصوصاً بہمنی خاندان کے مختلف کارناموں کو روشن کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، احمد آباد کی انیگلو ورنیکولر سوسائٹی گجرات کے اسلامی دور کی بھی تاریخ لکھا رہی ہے، سر جدو ناتھ سرکار کی نگرانی میں بنگال کے ابتدائی مسلمان بادشاہوں کی تاریخ کی ترتیب کی بھی خبر ملی ہے، ان مختلف خاندانوں اور ریاستوں کی تاریخی تحقیقات میں ایک بڑی مشکل یہ بھی ہے کہ ان خاندانوں کی بڑی کمی یہ ہے خصوصاً معاصر تاریخوں کا پتہ تو بالکل نہیں ملتا ہے، ان کی تاریخ زیادہ تر ایسی کتابوں میں ملتی ہے جو تیموری دور میں لکھی گئیں، فرشتہ نے بہمنی خاندان کی تاریخ کے ماخذ میں حاجی محمد قندھاری کا بہمن نامہ، ملا داؤد بیدری کی تحفۃ السلاطین اور ملا عبد الکریم سندھی کی سوانح محمود گاوان کا ذکر کیا ہے، فرشتہ نے شاہ خور نامی ایک مورخ کا نام بھی لکھا ہے جس نے ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں حسن سے کر ہندوستان میں وقائع قطب شاہی لکھی تھی، مگر ان تمام کتابوں کا کہیں پتہ نہیں، گجرات کی ایک معاصر تاریخ تاریخ محمود شاہی ہے جو [illegible]ھ سے [illegible]ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے، گجرات کے مظفر شاہ ثانی کے محاصرہ مانڈو پر بھی ایک نامعلوم مؤلف کی کتاب ہے جو شاید اسی زمانہ میں لکھی گئی، مگر یہ دونوں کتابیں ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں، ان دونوں کتابوں کے علاوہ گجرات کے مظفر شاہی خاندان کی معاصر تاریخوں کا حال معلوم نہیں، مالوہ کی تاریخ پر صرف ایک کتاب تاریخ ناصر شاہی کا پتہ ملتا ہے جس میں مالوہ کے حکمران ناصر الدین عبد القادر شاہ کی حکمرانی کے واقعات ۹۰۶ھ سے ۹۱۶ھ تک کے درج ہیں، مگر یہ بھی ابھی تک قلمی نسخہ کی شکل ہی میں ہے، عادل شاہی، برید شاہی، عماد شاہی حکومتوں، برہان پور کے فاروقی خاندان، سندھ، کشمیر، ملتان، بنگال اور جونپور کے سلاطین کی بھی معاصر تاریخیں نہیں، لیکن معاصر ماخذ نہیں ملتا ہے تو بعد کی لکھی ہوئی مستند تاریخوں ہی سے فائدہ اٹھا کر مختلف صوبوں اور ریاستوں کے واقعات قلمبند کرنے چاہئیں، مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ غیر مطبوعہ مخطوطات کو چھاپ کر زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے،

حضرات! زیر نظر عہد کی تاریخ کی ترتیب میں شعراء کا کلام اور علماء و صوفیہ کی تصانیف بھی قیمتی ماخذ ہو سکتی ہیں، ہم اپنی تحقیقات میں زیادہ تر مختلف سلاطین اور فرمانرواؤں کے واقعات کو تحریر میں لانے کی کوشش کرتے ہیں، مگر تاریخ صرف بادشاہوں کے کارناموں کا نام نہیں، ہر زمانہ میں ملک کی عام علمی، تمدنی، معاشرتی اور اخلاقی کیفیات کا جائزہ لینا تاریخ کا اہم موضوع ہے، چنانچہ پیش نظر دور کے شعراء میں سے ناصری خراسانی، محمد عوفی، امیر روحانی، سمرقندی، ابو الفرج رونی، تاج الدین دبیر، شہاب مہمرہ، امیر فخر الدین عمید تولکی، بدر چاچ، مطہر کڑہ، خسرو، حسن سجزی، عبید، اعز الدین خالد خانی اور شمس الدین وغیرہ کے کلام کا استقصا کیا جائے تو اس عہد کی نہ صرف علمی ترقیوں کا اندازہ ہوگا، بلکہ ان اشعار کے درمیان بہت سے تاریخی واقعات کی بھی جھلک نظر آئے گی، مگر افسوس ہے کہ ان میں سے بہت کم ایسے خوش نصیب شعراء ہیں جن کا کلام اور دیوان چھپ کر اہل علم کے ہاتھوں تک پہنچ سکا ہے، اسی وجہ سے ان کی تحریروں کے ذریعہ سے کسی قسم کی تحقیق کرنے کی اب تک کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے، امیر خسرو کی نظمیں چھپ گئی ہیں، تو ان سے تحقیقات کے سلسلہ میں مدد بھی لی جا رہی ہے،

صوفیہ کرام کی تصانیف ہندوستان کے اسلامی عہد کی مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی تاریخ کے لئے ایسی ضروری ہیں کہ ان کے بغیر تینوں پہلوؤں کی تصویر واضح نہیں ہو سکتی ہے، ہندوستان کے اسلامی دور میں دو قسم کی بادشاہت ساتھ ساتھ قائم تھی، ایک تو تخت و تاج کے حکمرانوں کی اور دوسری خانقاہ کے بوریا نشینوں کی، ایک توپ و تفنگ سے مملکت کو اپنے زیر نگین کرتے تھے، تو دوسرے اپنے بلند اخلاق اور اعلیٰ اوصاف کے ذریعہ سے ذہن و قلب کو تسخیر کرتے تھے، اور آج یہ کہنا مشکل ہے کہ دونوں میں کس کے اثرات زیادہ غالب رہے، مگر اتنا تسلیم کرنا پڑے گا کہ آج بھی ان صوفیہ کرام کی تصانیف ذہن کی پراگندگی کو سکون، قلب کے انتشار کو اطمینان اور گمراہوں کی کجروی کو ہدایت بخشنے میں کامیاب اور موثر ہیں، چنانچہ ان کی تصانیف کو بجا طور

سے اسلامی دور کا ایک بیش قیمت خزانہ کہا جا سکتا ہے، اور اس دور کے مذہب، اخلاق اور معاشرت میں ان صوفیائے کرام نے جو انقلابات پیدا کئے، ان کو صحیح طور پر سمجھے بغیر اس عہد کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی ہے، خواجہ معین الدین چشتیؒ، خواجہ بختیار کاکیؒ، خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ، خواجہ شہاب الدین علی ہمدانیؒ، خواجہ نظام الدینؒ، احمد بدایونی، خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ، بو علی قلندرؒ، ضیاء الدین نخشبیؒ، خواجہ رکن الدین عماد کاشانیؒ، حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ، خواجہ گیسو درازؒ، شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ، حضرت اشرف جہانگیر سمنانیؒ، محمد غوث گوالیاریؒ، میر خورد دہلوی، عبد اللہ شطاریؒ وغیرہ کی تصنیفات، مکتوبات اور ملفوظات میں اگر تلاش کی جائے تو زیر نظر عہد کی تاریخ کے لئے بہت سے مواد فراہم ہو سکتے ہیں، اور ان سے اخلاق و معاشرت کے رخ بہت اچھی طرح روشن ہو سکتے ہیں، مگر ان تصانیف کی طرف تاریخ ہند سے دلچسپی لینے والے محققین کی توجہ بالکل نہیں رہی ہے، اس لئے ان کی نظریں بھی سلاطین کے میدان جنگ کے کشت و خون ہی تک محدود رہی ہیں،

ان صوفیہ کرام کے ساتھ علماء نے بھی ہندوستان کو ذہنی اور علمی حیثیت سے مالا مال کیا، زیر نظر دور میں عرب اور وسط ایشیا کے ارباب کمال سے ہندوستان علم و فن کا مرکز بنا ہوا تھا، ان علماء نے اس عہد کی مختلف زبانوں میں جو تصانیف کی ہیں ان کے مقدمہ یا خاتمہ میں اپنے زمانہ کے بادشاہوں کا کچھ نہ کچھ نام و نشان اور حال بھی لکھا ہے، خواہ وہ کتاب کسی فن پر لکھی گئی ہو، جیسے نصاب الاحتساب، فتاویٰ تاتارخانی، تفسیر تاتارخانی، تفسیر بحر مواج دولت آبادی، طب معدن الشفاء سکندری، تصوف عین الحیوٰۃ، ترجمہ امرت کنڈ، باراہی سنگھتا، بھٹ بن مارا منہر کی کتاب ہیئت کا فارسی ترجمہ، عبد النبی احمد نگری کی دستور العلماء وغیرہ،

حضرات! اب تک ہمارے موجودہ محققین کی جماعت زیر نظر عہد کے سلاطین کے سیاسی، حربی اور ملکی کارناموں کی تفصیلات لکھنے میں منہمک رہی ہے، اس دور کے حکمرانوں کی مختلف تعمیرات کی جیتی جاگتی یادگاروں کا مطالعہ کرکے یورپین اہل قلم ان کے اس آرٹ اور فن کے کمال کی داد دیتے رہے ہیں، مگر اس زمانہ میں علوم و فنون، تعلیم، تمدن، معاشرت، رفاہ عام کے کام، زراعت، حیوانات، صنعت و حرفت اور تجارت میں جو ترقیاں ہوئیں، ان کا استقصاء صحیح طور پر نہیں ہو سکا ہے، اس عہد کے علوم و فنون کی ترقی پر کلکتہ یونیورسٹی کے ایک اہل علم نے اپنی کتاب Promotion of Learning in India during the Mohammedan rule کے چند ابواب میں روشنی ڈالی ہے، پٹنہ یونیورسٹی کے ایک لکچرر نے اس دور کے دو چار شعراء کے حالات لکھے ہیں، لکھنؤ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے امیر خسرو پر ایک کتاب لکھی ہے، ناگپور یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے "ہندوستان کے عہد مغلیہ سے پہلے دور کی فارسی" کے نام سے ایک کتاب پیش کی ہے، مگر پھر بھی اس عہد کے ادب و شاعری کی صحیح تصویر سامنے نہیں آسکی ہے، تعلیمی نصاب اور تعلیمی ادارے کا ہلکا سا خاکہ ہماری اکاڈیمی کی ایک تالیف "اسلامی درس گاہیں" سے مل جاتا ہے، ہماری جماعت ندوۃ العلماء کے سابق ناظم مولانا حکیم سید عبد الحی صاحب مرحوم نے بیس برس کی عرق ریزی سے عربی میں دس جلدوں میں فتح سندھ سے لیکر اخیر اسلامی عہد تک ہندوستان کے علماء، مشائخ و شعراء و مورخین کے حالات جمع کئے ہیں، جو بڑا نادر سرمایہ ہے، یہ اگر چھپ جائے تو محققین کی عمروں کا بہت بڑا حصہ ان معلومات کی تلاش و محنت میں ضائع ہو جانے سے بچ جائے، صرف اس کا ایک حصہ جو آٹھویں صدی ہجری سے متعلق ہے، دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہوا ہے، مگر افسوس کہ پوری کتاب اب تک حلیۂ طبع سے محروم ہے، ابھی حال میں ہمارے فاضل دوست مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ نے "ہندوستان میں اسلامی نظام تعلیم و تربیت" پر ایک پر معلومات کتاب اردو میں لکھی ہے، جس میں شروع سے لے کر اس وقت تک تعلیم و تربیت کے اصول اور طریقوں اور تصنیف و تالیف اور کتابوں

کی فراہمی وغیرہ کے حالات لکھے ہیں زیر نظر عہد کی عام معاشرتی اقتصادی اور تجارتی تفصیلات کا ایک اچھا خلاصہ ڈاکٹر کنور اشرف کے قلم سے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی اشاعت - Life and Condition of people of Hindustan (1206-1526) میں پیش کیا گیا ہے، ڈاکٹر اشتیاق کی کتاب سلاطین دہلی کے نظام سلطنت پر قابل تحسین ہے،

اس عہد پر جتنی کتابیں بھی جاتی ہیں ان میں مختلف تمدنی پہلوؤں کو یا چند پیراگراف یا زیادہ سے زیادہ ایک باب میں لکھ کر ختم کر دیا جاتا ہے، حالانکہ ان میں سے ہر پہلو پر ایک مستقل کتاب لکھی جا سکتی ہے، لیکن اب تک اس کی طرف توجہ نہیں کی گئی ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ اس کے لئے کافی لٹریچر اور مواد موجود نہیں، بلکہ محض اس لئے کہ اس کی تحقیق و تدقیق میں غیر معمولی محنت، تلاش، جستجو اور دقت نظر کی جو ضرورت ہے، وہ ہمارے سامنے محققین کی جماعت میں ابھی پیدا نہیں ہو سکی ہے، اس لئے ہمارے ماضی کے تمدن کا صحیح اور روشن رُخ پیش نہیں ہو سکا ہے، اور ہمارے سامنے گذشتہ تاریخ کے زیادہ تر واقعات ایسے ہیں جن کو پڑھنے کے بعد دکھ اور رنج پہنچتا ہے،

اسی احساس کا نتیجہ ہے کہ میں نے اپنی شبلی اکیڈمی کی طرف سے آج سے چودہ برس پہلے اردو میں ایک مکمل تاریخ ہند لکھوانے کا فیصلہ کیا، جس کی تقسیم دس بارہ جلدوں میں کی گئی تھی، اور جس کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کی تمدنی و تعمیری ترقی میں مسلمانوں نے کیا کام کیا، بحمد اللہ کہ یہ کام شروع کر دیا گیا ہے، اور اس وقت تک اس کی تین جلدیں مرتب ہو چکی ہیں، تمدنی کارناموں کی ایک جلد الگ تیار ہوئی ہے، ممکن ہے کہ اسی موضوع پر کئی اور جلدیں لکھی جائیں،

خدا کا شکر ہے کہ اب اہل ہند کو اس ضرورت کا عام احساس ہو رہا ہے، علی گڈھ مسلم یونیورسٹی نے انڈین ہسٹاریکل سوسائٹی کی بنیاد اسی غرض سے رکھی ہے، بنارس میں بھارت اتہاس پرشد اسی لئے قائم ہوئی ہے، اور ہم نے خوشی سے یہ بھی سنا کہ اس ہسٹاریکل کانگریس نے بھی جس میں ہم آپ جمع ہیں ایک تاریخ ہند لکھوانے کا فیصلہ کیا ہے اور اس کے لئے ہندوستان کی سب سے بڑی دیسی ریاست نے شاہانہ امداد دی ہے، امید ہے کہ یہ تینوں سلسلے کامیابی کے ساتھ اپنے فرض کو انجام دیں گے، مگر ضرورت اصلی یہ ہے جس کا اظہار تقریر کے آغاز میں کیا گیا تھا، اسی کی یاد دہانی تقریر کے اختتام پر کی جائے کہ اب اس کے بعد ہندوستان کی جو تاریخ لکھی جائے اس کا مقصد ہندوستان کے متفرق اجزاء کو باہم جوڑنا ہو، توڑنا نہ ہو، حال کو ماضی کی ناگواری کی تلخی کو بڑھا کر کیوں برباد کیا جائے اور کیوں مستقبل کے لئے یہ کوشش جاری رہے کہ وہ بھی خوش آیند نہ ہونے پائے،

ہندوستان کے مورخو! تم ہندوستان کی صرف تاریخ نہ لکھو بلکہ اپنے کارناموں سے ہندوستان کی نئی تاریخ بھی بناؤ، نیک ارادہ سے اٹھو خدا تمھاری مدد کرے گا،

اشتراکیت و اسلام

جس میں اسلام اور اشتراکیت کی تعلیمات کے تقابلی مطالعہ اور اشتراکیت کے خلاف فطرت معاشی اصولوں کی علمی و فنی تنقید کی گئی ہے، نیز اس کے مابعد الطبیعی نظریوں پر ایک ناقدانہ نظر بھی ڈالی گئی ہے، ضخامت ... صفحے قیمت عمر

از مسعود عالم ندوی،

منیجر

عرفانیات فانی

از

جناب مرزا احسان احمد صاحب بی اے ال ال بی

(۲)

تصریحات مذکورۂ بالا سے اہل ذوق کو کافی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ فانی نے درد و غم کا جو مرقع پیش کیا ہے، اس میں کس حد تک ایک زندہ روح کی آتش نشانیاں نظر آتی ہیں، اور وہ ہمارے قلب و نگاہ کو کہاں تک ذوق و لذت کی دعوت دیسکتا ہے، لیکن ہم کو فانی سے اس کی شکایت نہیں، عشق کے بار غم کا تحمل ہر شخص کا کام نہیں، اس کے لئے جوہر قابل درکار ہے، جو اس کی اندرونی لذت و کشش کا احساس کر سکے، اسی بنا پر سرمدؔ نے کہا ہے،

سرمد غم عشق بوالہوس را نہ دہند ۔۔۔ سوز دل پروانہ مگس را نہ دہند

فانی کے کلام سے جو اشعار ہم نے اوپر پیش کئے ہیں، ان سے ہمارے اس خیال کی کافی تائید ہوتی ہے، کہ انھوں نے عشق کے درد و غم کو ایک صاحب ذوق کی نگاہ سے نہیں دیکھا، ورنہ وہ دنیا کے سامنے اپنی زندگی کا یہ منظر پیش نہ کرتے،

دم بخود سکتہ کا عالم، مردنی چھائی ہوئی ۔۔۔ رنگ میری زندگی کا میری میت پر کھلا

اور نہ اس میں اتنی برودت ہوتی، کہ سوز محبت جو تمام خوابیدہ احساسات کو مشتعل اور تند و تیز کر دیتا ہے، ان کے دل پر بجائے آگ کے پانی کا کام کرتا،

جو سوز محبت سے ہوا سرد وہ دل ہوں ۔۔۔ وہ شمع ہوں جس کو پر پروانہ بجھا دے

اور نہ وہ اپنی ناکامیوں اور نامرادیوں کا اس طرح ماتم کرتے،

نامرادی حد سے گذری حال فانی کچھ نہ پوچھ ۔۔۔ ہر نفس ہے اک جنازہ آہ بے تاثیر کا

اور نہ وہ حسرت و بیکسی کے عالم میں عمر بھر اجل کے لئے چشم براہ رہتے،

تو کہاں تھی اے اجل اے نامرادوں کی مراد ۔۔۔ مرنے والے راہ تیری عمر بھر دیکھا کئے

لیکن اگر وجدان سلیم کے انوار سے ان کی چشم بصیرت روشن ہوتی، تو یہی غمکدۂ حیات ان کو شبستان عیش نظر آتا، اور یہی سوز محبت ان کے ہر بُن مو کو برق سر طور کی شرر افشانیوں کا گہوارہ بنا دیتا، اور عشق کی انھی ناکامیوں میں ان کو وہ سرور حاصل ہوتا، کہ ان کی ہر موج نفس موج صہبا بن جاتی، اور پھر نہ کبھی ان کو چارہ سازوں کا شرمندۂ احسان ہونا پڑتا، نہ کبھی ان کی آنکھوں سے زرد آنسو ٹپکتے، اور نہ کبھی ہجوم غم سے گھبرا کر موت کے لئے دعائیں مانگتے، بلکہ وہ ایک ایسے عالم میں پہونچ جاتے، جس کا ہر گوشہ زندگی کے سوز و تپش سے آتش بجان اور جس کا ہر منظر ذوق نامحدود کی تابانیوں سے معمور نظر آتا، اور بجائے یاس و حسرت کے ولولہ شکن نوحوں کے ہم ان کی زبان سے عشق کا یہ نعرۂ مستانہ سنتے،

اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے ۔۔۔ بلا بانا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث کو (اصغر)

اس شعر مین جس لطیف اور بلند حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اگر فانی کے دل مین اس کا احساس ہوتا، تو ان کو غم کو قلب وجگر کا مدفن نہ بنتا، اور نہ وہ اتنے کمزور مضمحل ہوتے، کہ ان کی شمعِ حیات کو پرِ پروانہ کی ایک خفیف جنبش گل کردیتی، لیکن طبیعتون کی فطری استعداد کے فرق مراتب کو کیا کہا جائے، فانی پر ناکامیون اور دشواریون کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ان کی رگ رگ فریاد کرنے لگتی ہے، زندگی سے بالکل بیزار ہوجاتے ہین، اور ان کا پورا نظامِ حیات بے کیف اور مضمحل ہوجاتا ہے، لیکن جب اہلِ ذوق کو ناکامیون اور دشواریون کا سامنا ہوتا ہے، تو وہ جوشِ مسرت مین سراپا تبسم نظر آنے لگتے ہین، کہ اب زندگی کی حقیقی نشوونما کا وقت آگیا ہے، جس طرح سیلاب کے جوش وخروش کا اندازہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا، جب تک اس کی راہ مین آلام ومصائب کی چٹانین حائل نہ ہون، اقبال سہیل نے کیا خوب کہا ہے،

پھر موجِ زندگی مین نہین شورشِ عمل
پھر کوئی سنگِ راہ مقابل نہین رہا

یہی وجہ ہے کہ اسیرانِ محبت کو عشق کے درد وغم سے نجات حاصل کرنے کی کبھی آرزو نہین رہتی، بلکہ وہ اس جامِ تلخ کی لذت کے لئے ہر وقت بیتاب رہتے ہین، اور اُن کی زندگی کا ہر لمحہ بغیر اس روح پرور خلش کے گذر جاتا ہے، اُس پر ان کو ہمیشہ افسوس رہتا ہے،

نالہ از بہر رہائی نہ کند مرغِ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود

یہ درد وغم کی لذت ہی تھی، جس نے حافظ کو اس دعا پر مجبور کیا تھا،

خلاص حافظ ازان زلف تابدار مباد
کہ بستگانِ کمندِ تو رستگارانند

یہ شرابِ دوآتشہ کا سرور تھا، جس کی کیفیت عارفِ رومی نے ان الفاظ مین بیان کی تھی،

دلِ من از جنون نمی خسپد

غرض تم نے فانی کے دردِ محبت کا دلدوز عالم دیکھ لیا، کہ وہ حقیقت مین عشق کا درد نہین، بلکہ ایک مریضِ جان بلب کے کرب وتکلیف کی تصویر ہے، جس مین زندگی کی کوئی تابانی نظر نہین آتی، بلکہ جس پر سراپا عالمِ نزع کی فسردگی چھائی ہوئی ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ ان کی چشم ونگاہ کا جو محبوب ہے، وہ کیا ادائین رکھتا ہے، اور ان کا دل کس حد تک بارگاہِ حسن کا ادب شناس ہے؟ اس مین شبہہ نہین کہ فانی کی نگاہین کبھی کبھی جمالِ حقیقی کی رنگینیون کی طرف بھی اٹھ جاتی ہین، مثلاً

فردوس بداماں ہے ہر نقشِ خیال ان کا
یہ شانِ تصور ہے، تصویر کو کیا کہیے

گرا کے قطرۂ شبنم گلون کے دامن پر
تجلیات کے دریا بہا دیئے تو نے

ابتدائے زندگی ہے انتہائے زندگی
آپ کے خیال سے، آپ کے خیال مین

لیکن ان کی طبیعت کا رجحان عام طور پر فتنہ گران سر بام کی عشوہ طرازیون ہی کی طرف معلوم ہوتا ہے، عام غزل گو شعرا نے محبوب کو ہمیشہ ایک بے رحم قاتل کی صورت مین پیش کیا ہے، جو نہایت بے دردی کے ساتھ غریب عاشق کی گردن پر چھری چلاتا رہتا ہے، لیکن قتل وخونریزی محبوب کی شان نہین، وہ قلب وجگر کو ضرور مجروح کرتا ہے، لیکن جلاد کی تیغ وسنان سے نہین، بلکہ اپنی نگاہ وناز کی لطیف اداؤن سے جن مین زندگی کی روح پنہان ہوتی ہے، لیکن فانی کا محبوب جس بے دردی کے ساتھ حملہ آور ہوتا ہے، اس کی تصویر یہ ہے،

تیر سے تیغ سے خنجر سے سنان سے مارا
کئی پہلو مرے قاتل نے قضا کے بدلے

غور کرو یہ کسی محبوب دلنوازی شانِ کرم ہے، یا صحرائے تاتار کے کسی خوفناک وحشی کی تصویر درندگی ہے جس کو دیکھتے ہی تمام نظامِ حواس پراگندہ ہوجائے! اتنے خطرناک اسلحہ کی پیہم چوٹین کھا کر فانی اگر فریاد وفغان اور گریہ وزاری نہ کرتے، تو پھر کیا کرتے، چنانچہ ان کی تڑپ اور بے چینی کا عالم دیکھ کر ان کا دشمن بھی چیخ اٹھتا ہے،

کچھ اس طرح تڑپ کر مین بے قرار رہا
دشمن بھی چیخ اٹھا بے اختیار رو دیا

ایسے ظالم اور سفاک سے دل لگا کر فانی کے خزانۂ محبت کو جو سرمایہ ہاتھ آیا ہے، وہ یہ ہے،

انبار آنسوؤن کے ہین خونِ جگر کے ڈھیر
معمور ہے خزانہ سرکار آستین،

یہ ظالم صرف سنان بازی ہی کے فن سے واقف نہین ہے، بلکہ ذبح کرنے مین بھی مشتاق ہے، چنانچہ عاشق کی گردن پر اس کے خنجر چلانے کی ادا ملاحظہ ہو،

اُدھر منہ پھیر کر کیا ذبح کرتے ہو ادھر دیکھو
مری گردن پہ خنجر کی روانی دیکھتے جاؤ

وہ جس ادا سے مقتل مین آتا ہے، اُسکی تصویر یہ ہے،

کسی کا ہائے وہ مقتل میں اس طرح آنا
نظر بچائے ہوئے آستین چڑھائے ہوئے

وہ اتنا بڑا ماہر فن ہے، کہ عاشق قضا کو دولھن بنا کرے آتا ہے، تاکہ اس کو فرار وگریز کا خیال نہ آسکے،

ادھر سے آڑ مین خنجر کے منہ چھپائے ہوئے
مری قضا کو وہ لائے دولھن بنائے ہوئے

اس کی ستم ظریفی کا یہ حال ہے، کہ زندگی مین تو کبھی غریب عاشق کی خبر نہیں لی، لیکن میت پر آکر پوچھتا ہے کہ تمہارا مدعا کیا ہے؟

مری میت پہ ان کا طرزِ ماتم کس بلا کا ہے
دلِ بے مدعا سے پوچھتے ہین مدعا کیا ہے

وہ عاشق کو اتنا سادہ لوح سمجھتا ہے کہ اس کی لاش پر موت کو کوستا ہے، حالانکہ دراصل وہ خود اس کی موت کا سبب ہے، چنانچہ دبی زبان سے یون عرض کرتے ہین،

اب مری لاش پر حضور موت کو کوستے تو ہین
آپ کو یہ بھی ہوش ہے کس نے کسے مٹا دیا

اس کی فتنہ پردازی اور شوخی وشرارت کا یہ عالم ہے کہ مرنے کے بعد بھی وہ عاشق کو چین سے سونے نہین دیتا،

موت کی نیند بھی اب چین سے سونا معلوم
کہ جنازے پہ وہ غارت گرِ خواب آتا ہے

عاشق کی میت پر وہ اپنا عذرِ تاخیر ان الفاظ مین پیش کرتا ہے،

ہائے ان کا مری میت پہ یہ عذرِ تاخیر
سو گئے تم مرے دامن کی ہوا سے پہلے

ایسے دامن کو کیا کہا جائے جس کی ہوا سے سکونِ مرگ طاری ہوجاتا ہے!

فانی کے مدفن کے لئے وہ روز ایک قیامت برپا کرتا رہتا ہے،

مدفن جو سرِ رہ گذرِ دوست ہے فانی
روز ایک قیامت مرے مدفن کے لئے ہے

لیکن اس مصیبت کے ذمہ دار آپ خود ہین، آپ کو جب یہ معلوم تھا، کہ آپ کا دوست اتنا شریف اور مہربان انسان ہے کہ مرنے کے بعد بھی آپ کو اذیتین پہونچانے سے باز نہین آسکتا، تو پھر آپ نے اس کی رہگذر مین اپنا مدفن بننے کیون دیا؟ لیکن مشکل یہ ہے کہ اس کو گورِ غریبان کی سیر کا اس قدر شوق ہے کہ صبح اٹھتے ہی پہلا کام وہ یہی کرتا ہے،

سحر ہوئی کہ وہ یادش بخیر آتا ہے
چراغ ہین مری تربت کے جھلملائے ہوئے

اس لئے مدفن کہین بھی ہوتا، اس کی زد سے محفوظ نہین رہ سکتا تھا،

اس کا خنجر وہ روح کش آلہ ہے کہ جس کو موت بھی نہین مٹا سکتی، اس کو وہ دم بھر مین فنا کر سکتا ہے، چنانچہ شاعر شبِ غم مین اسی کی مدد کا طلب گار ہے،

شبِ غم مین بھی میری سخت جانی کو نہ موت آئی　　ترا کام اے اجل اب خنجرِ قاتل سے نکلے گا

اس کی نگاہ اس قدر ہولناک واقع ہوئی ہے، کہ اس کو دیکھتے ہی فانی کو مرگِ ناگہان کی بے بہا دولت حاصل ہو جاتی ہے،

آخر نگاہِ دوست میں فانی نے پالیا　　یون مرگِ ناگہان تجھے ڈھونڈھا کہان کہان

اس کی جان نوازی کا یہ عالم ہے، کہ شاعر اس سے حالتِ نزع مین سازِ مرگ کے چھیڑنے کی فرمایش کرتا ہے،

بالین پہ آکے نزع کے پردے میں چھیڑ دو　　نغمے جو سازِ مرگ میں سوئے ہوئے سے ہین

لیکن اس کو اس کی خبر کہان تھی، کہ حُسن کے دستِ ناز مین وہ ربابِ آتشین ہے، جس کے نغمون کی شرر فشانی سے اقلیم جان کا ہر گوشہ دہک اٹھتا ہے،

بیخود و محو جسم و جان مست زمین و آسمان　　حُسن نے دستِ ناز سے چھیڑ دیا ہو سازِ عشق　　(اصغر)

امثالِ مذکورۂ بالا سے تم کو فانی کے محبوبِ نظر کی حقیقت کا کافی اندازہ ہو گیا ہوگا، اب اس کی کچھ اور ادائین دیکھنا چاہو تو اشعارِ ذیل حاضر ہین،

تری ترچھی نظر کا تیر ہے مشکل سے نکلے گا　　دل اس کے ساتھ نکلے گا، اگر یہ دل سے نکلے گا

وہ میری لاش پہ تہمت سی کچھ اٹھا کے چلے　　مجھے قرار سے دیکھا تو مسکرا کے چلے

تم جوانی کی کشاکش مین کہان بھول گئے　　وہ جو معصوم شرارت تھی حیا سے پہلے

بر بزم توجہ تھا اک خطا پیمانہ　　محفل سے جو وہ اٹھے لیتے ہوئے انگڑائی

اب انھیں اپنی اداؤن پہ حجاب آتا ہے　　چشم بد دور دلھن بن کے شباب آتا ہے

نہ بن پڑا کوئی عذرِ جفا کسی سے تو ہائے　　ادا وہ یاد ہے گھبرا کے روٹھ جانے کی

وہ ایک اچٹتی سی قاتل کی نظر تو بہ　　دم توڑ دیا دل نے گو زخم نہ تھا کاری

جب ذرا پردے سے جھانکا بجلیان گرنے لگین　　ہے کوئی یہ دیکھنے مین بندہ پرور دیکھنا

اور بھی بل ہین تری زلفوں میں آج　　کون گرفتارِ بلا ہو گیا

ان اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ شاعر کا دل زیادہ تر فتنہ گرانِ لبِ بام ہی کی تیغِ ادا کا زخم خوردہ ہے، ترچھی نظر سے تیر چلانا، عاشق کی لاش پہ مسکرانا، اس کے مدفن سے اٹھکھیلیان کرنا، انگڑائیان لیتے ہوئے محفل سے اٹھنا، گھبرا کر روٹھ جانا، پردے کی اوٹ سے جھانکنا، دلھن کی طرح اپنی اداؤن سے شرمانا، منہ پھیر کر عاشق کی گردن پہ چھری چلانا، آستین چڑھا کر مقتل مین آنا، مختلف اسلحۂ حمد آور ہونا، خوفناک نگاہون سے پیامِ اجل سنانا، میت پر ماتم کرنا، موت کو کوسنا، قبرستان کی سیر کرنا، دامن کی ہوا سے بجائے بیدار کرنے کے سکونِ مرگ طاری کر دینا وغیرہ کیا انہی مبتذل اور عامیانہ اداؤن کی نمایش کا نام حسن ہے؟ کیا ایسے بد مذاق ظالمون کی محبت سے قلب و روح کے اندرونی لطیف احساسات شگفتہ اور مشتعل ہو سکتے ہین؟ کیا انہی فتنہ گرون کی نگاہ سحر طراز کے متعلق خواجہ حافظ نے یہ دعویٰ کیا تھا،

مشکل خویش بر پیرِ مغان بردم دوش　　کو بتائید نظر حل معما می کرد

غرض فانی کے احساسِ محبت میں عام طور پر جو روحانی اضمحلال ضعف، بے حسی اور افسردگی نظر آتی ہے، اس کا اصلی سبب یہی ہے کہ انھون نے حسن کی حقیقی عظمت اور اس کی روحانی پاکیزگی اور لطافت کا اندازہ بہت کم کیا یعنی ان کے پیشِ نظر یہ حقیقت نہین رہی کہ حسن سراپا حُسن ہے، اس کا قد رعنا جمال روحانی کا نظارہ گاہ ہے، اس کا چہرۂ رنگین صبحِ زندگی کا گہوارۂ انوار ہے، اس کی نگاہِ ناز کا ہر اشارہ سازِ لاہوتی کا ایک نغمۂ بے صدا ہے، اس کے دستِ کرم مین جامِ زہر نہین، بلکہ بادۂ حیات کا وہ ساغرِ رنگین ہے، جس کا ایک جرعہ ہر رگ و پے کو نشاطِ ابدی سے سیراب کر دیتا ہے، اس کی تیغِ ادا کسی بے درد ظالم کا آلۂ قتل نہین، بلکہ مہر و محبت کی وہ تلوار ہے، جس کا زخم خوردہ کراہتا اور مرتا نہین، بلکہ زندہ رہ کر جوشِ مسرت مین مسکراتا رہتا ہے، وہ دل مین درد پیدا کرتا ہے، لیکن وہ درد نہین، جو قلب و جگر کو مضمحل اور بے حس بنا دیتا ہے، بلکہ وہ درد جس کی لذت سے زندگی کی روح پرورش پاتی ہے، اس کی بارگاہِ فیض سے آنسوؤن کے انبار اور خون کے ڈھیر نہین، بلکہ جوش و مستی اور سوز و گداز کا وہ کیف و سرور عطا ہوتا ہے، جس کے بل پہ ایک گدائے خاک نشین بامِ عرش کے کنگرون کو ہلا کر رکھ دیتا ہے، وہ کوئی پیکرِ جسمانی نہین جو نگاہون کو نظر آ سکے، یا جس کی تلاش گلی کوچوں مین کیجائے، بلکہ وہ ایک روح ہے، جو عالم کے ریشہ ریشہ مین حرکت کر رہی ہے، وہ ایک نور ہے، جس سے کائنات کا ہر گوشہ روشن ہے، غرض اس کی سرا دا لطافت اور پاکیزگی کا آئینہ ہے، جس مین کسی مادی آلایش کی گنجایش نہین،

یہی وہ محبوبیت کا پیکرِ لطیف ہے، جس کا ذوقِ پرستش چشمِ بصیرت کے سامنے تجلیاتِ روحانی کا ایک نا محدود عالم بے نقاب کر دیتا ہے، یہی وہ حسن سحر طراز ہے، جس کی برقِ تبسم کی موجِ شرر فشان سے آبِ حیات کے قطرون کی ریزش ہوتی ہے، یہی وہ قاتل ہے، جس کا ہر وار دردمندانِ محبت کے لئے حیاتِ نو کا پیام ہے، یہی وہ پیرِ میکدہ ہے جو صرف اپنی خمار آلود نگاہون کی جنبش سے تشنگانِ ذوق کو اس طرح سیراب کر دیتا ہے، کہ پھر ان کو زمین سے آسمان تک بجز مسرت کے اور کچھ نظر نہین آتا، ظاہر ہے کہ جو دل ایسے نگارِ جان نواز کا کشتۂ محبت ہوگا، اس کی روحانی استعداد و صلاحیت کی کیا حالت ہوگی، اور اُس کے ترانہ ہائے درد و غم کی رنگینیون اور آتش فشانیون کا کیا عالم ہوگا!

حقیقت یہ ہے کہ عشق کی کشش و حرارت کا اصلی سرچشمہ حُسن ہے، اس لئے حسن جس قدر لطیف اور کامل ہوگا، اسی قدر عشق بھی قوی اور مشتعل ہوگا، لیکن چونکہ حُسن کامل شاہدِ حقیقی کا حصہ ہے، اس لئے جو لوگ اس کے جلوہ شناس ہوتے ہین انھی کا کلام سرتا پا سوز و اثر سے لبریز ہوتا ہے، اور انھی کی اداؤن مین عشق و محبت کی حقیقی حرارت اور جوش و مستی کی تصویر نظر آسکتی ہے، عرفی نظیری وغیرہ کی جدت طرازیون سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ لیکن کیا ان کے دفترِ تغزل مین مولانا روم کے جذبۂ عشق کی اس شانِ جلال و عظمت کی کوئی مثال مل سکتی ہے،

بزیرِ کنگرۂ کبریاش مردانند　　فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزدان گیر

یہ وہ شعر ہے جس پر مرزا غالب سر دھنا کرتے تھے، آج خواجہ حافظ کے آئینۂ محبت میں اہلِ ذوق کو دادِ عیش کی جو شعر باریان نظر آتی ہین وہ اسی جمالِ حقیقی کی آستان بوسی اور عظمت شناسی کا فیض ہے، جس کی بدولت ان کی زبان سے یہ نعرۂ مستانہ بلند ہوتا تھا،

گدائے میکدہ ام لیک وقتِ مستی بین　　کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

غرض ہمارے نزدیک تغزل کے لئے فلسفیانہ دماغ نہین، بلکہ ایک مضطرب روح، ایک قابل اور درد آشنا دل کی ضرورت ہے، جس کو ایک طرف حریم حُسن کے آداب کا یہ پاس ہو کہ

نیاز رکھ کے بھی عرض نیاز رہنے دے (اصغر)

اور دوسری طرف اس کا بھی احساس ہو کہ باوجود عجز و درماندگی کے عشق مین وہ قوت ہے جو کائناتِ عالم کو ہلا سکتی ہے، اور جس کے جنونِ آرزو کے جوشِ بے پایان کو فضاے آسمانی کی وسعت بھی تنگ نظر آتی ہے،

یہ جہانِ مہر و انجم ہے تماشا مجھ کو | وحشت دنیا تھا با اندازۂ سودا مجھکو (اصغر)

مین نے اس تنقید کے دوران مین اکثر اصغر مرحوم کے اشعار نقل کئے ہین جس سے شاید ناظرین کو یہ گمان ہو کہ مین فانی کا ان سے مقابلہ کر رہا ہون، حالانکہ یہ میری ہرگز نیت نہین ہے، ان مثالون سے صرف یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ فانی نے تغزل کا جو نمونہ پیش کیا ہے، اس مین قلب و روح کے لئے ذوق و لذت کا سامان بہت کم ہے اور اس مین بیشتر صرف قدیم رنگ سخن کی تقلید ہے، جس مین حسن و عشق کی بلند اور لطیف ادا ؤن کی جھلک بہت کم نظر آتی ہے اور اس لئے ہمارے نزدیک تغزل کی معنوی حیثیت مین کوئی قابلِ قدر اضافہ نہین ہوتا، اور فانی کی چشم یاس کی اشک افشانی اور حسرت زدہ دل کی افسردگی سے عشق کی حرارت، گرمی، جذبات محبت کی بلندی، پاکیزگی اور اس کی ساری لطیف و حالی کیفیتین جو تغزل کا اصل سرمایہ خیر ہین بجھ کر رہ گئی ہین، ممکن ہے فانی کی یہ اداے غم کسی سوگوار طبقون کو کسی قدر خوشنما معلوم ہوتی ہو لیکن افسوس ہے کہ غزل کی بزم کیف مین اس کی گنجایش نہین وہ ایک شرارِ معنوی ہے جس کے رقص نورانی سے قلب و روح کی تمام گہرائیان دفعۃً جگمگا اٹھتی ہین، اور زندگی کا حقیقی جلوہ بہار چشمِ بصیرت کے سامنے بے نقاب ہو جاتا ہے،

فانی نے ایک شعر مین اپنے سوزِ دل پر اس طرح فخر کیا ہے،

کیون اہلِ حشر ہے کوئی نقادِ سوزِ دل | لایا ہون دل کے داغ نمایان کئے ہوئے

لیکن افسوس ہے کہ ان کے کلام سے ہم کو اس کا کوئی ثبوت نہین ملتا بلکہ غور سے دیکھا جائے تو ان کے داغِ دل مین بجائے برق سرِ طور کے جلوؤن کے صرف چراغ سرِ مزار کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی نظر آتی ہے،

بہرحال مصورِ "یاسیات" کی زبان سے عشق و محبت کے سوز و تپش کا دعا کسی طرح مناسب نہین معلوم ہوتا، فانی زندہ ہوتے تو ان کی خدمت مین دبی زبان سے یہ عرض کرنے کی جرأت ضرور کرتے،

تو در ہواے آنکہ نگہ آشناے اوست | من در تلاش آنکہ نتابد نگاہ را

یہ شکایت ہم کو عام طور پر تمام غزل گو شعرا سے ہے جن کی نگاہ مین حسن و عشق کی حقیقی خصوصیات تک پہونچنے سے اکثر قاصر رہتی ہین، یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام سوز و اثر سے خالی ہوتا ہے، اور ان کی شاعرانہ صناعیون مین دل کو کوئی لذت محسوس نہین ہوتی، کہا جاتا ہے کہ فانی فلسفہ لکھتے ہین، ممکن ہے، یہ ایک حد تک صحیح ہو، لیکن ہمارے نزدیک غزل کے لئے فلسفہ ضروری نہین کیونکہ غزل کا تعلق دماغ سے نہین بلکہ دل سے ہے، اس لئے اس کی اصلی روح جذبات ہین، جن کے بغیر غزل ایک پھول ہے جس مین نشہ نہین نغمہ ہے جس مین سرور نہین، راکھ کا ایک ڈھیر ہے جس مین کوئی تپش نہین، فانی کی غزلون کا بعینہ یہی عالم ہے جن کو پڑھ کر بجاے مستی و بیداری کے قلب و روح پر سکون مرگ طاری ہونے لگتا ہے،

(باقی)

کیا مدینۃ العلوم طاشکبری زادہ کی تصنیف ہے؟

از

جناب قاضی احمد میان صاحب اختر جوناگڑھی

علماے اسلام نے موضوعاتِ علوم پر متعدد کتابین لکھی ہین، یہان تک کہ انسائیکلوپیڈیا کی طرز کی کتابین لکھنا ایک باقاعدہ فن ہو گیا، اور ہر علم و فن پر خاص کتابین بھی لکھی گئین، انہی کتابون مین سے ایک کتاب مدینۃ العلوم بھی ہے آج تک ہم یہی پڑھتے اور سنتے چلے آئے ہین کہ اس کتاب کا مصنف ازنیقی ہے، اس کتاب کے قلمی نسخے کتبخانہ خدیویہ مصر اور ندوۃ العلما لکھنؤ کے کتب خانہ مین موجود ہین، اب تک جتنے اقتباسات اس کتاب کے نظر سے گذرے، وہ سب کے سب ازنیقی کی طرف منسوب کئے گئے، لیکن جرجی زیدان نے لکھا ہے کہ کتاب مذکور جو ازنیقی سے منسوب ہے، امیر احمد بک تیمور کی تحقیق کے مطابق دراصل طاشکبری زادہ کی تصنیف ہے[1] ایک اور مقام پر زیدان نے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے:-

"مدینۃ العلوم: تعریفات علوم اور مصنفین کے حالات مین از مصطفیٰ بن خلیل (دسوین صدی) اس کا ایک مخطوطہ کتب خانہ خدیویہ مین ہے جو ۲۷۴ صفحات پر مشتمل ہے، مؤلف سے اس کتاب کی نسبت کے متعلق اختلاف ہے کیونکہ کتب خانہ خدیویہ کے نسخہ مین کتاب کے نام (سرورق پر) کے ساتھ مصنفہ شیخ الاجل امام مولانا و سیدنا مفتی مسلمین لکھا ہوا ہے، اور مقدمہ کے دوران مین لکھا ہے کہ اس کے مؤلف شمس الدین بن قاضی برہان الدین ابراہیم بن ساعد انصاری ہین، جو ۹۳۰ھ مین قاہرہ مین موجود تھے، اور ابجد العلوم مین لکھا ہے کہ مدینۃ العلوم کا مؤلف ازنیقی (زادہ) ہے، حالانکہ کتاب مین ایسے لوگون کا ذکر پایا جاتا ہے، جو نوین صدی کے بعد گذرے ہین کیونکہ اس مین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ سے استشہاد کیا گیا ہے، پس اس کا مؤلف دسوین یا گیارھوین صدی کا ہے، اور کتاب کا موضوع مفتاح السعادہ از طاش کبری زادہ یا کشف الظنون کے قبیل سے ہے"[2]

قبل اس کے کہ اس اختلاف نسبت پر بحث کی جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زیدان کے بیان مین جو غلطیان ہین ان کی تصحیح کر لی جائے،

(۱) مدینۃ العلوم کا مصنف مصطفیٰ بن خلیل کو بتایا ہے، اس کی جگہ اس کے بیٹے احمد بن مصطفیٰ بن خلیل طاشکبری زادہ المتوفی ۹۶۸ھ[3] کا نام ہونا چاہئے،[4]

---

[1] تاریخ آداب اللغۃ العربیہ جلد ۳ ص ۲۰۵ [2] ایضاً جلد ۳ ص ۲۳۹، [3] العقد المنظوم مین بھی یہی سنہ وفات ہے، جو بالکل صحیح ہے تعجب ہے مفتاح السعادۃ مطبوعہ دائرۃ المعارف کے سرورق پر طاشکبری زادہ کا سنہ وفات ۹۶۲ھ چھپا ہے، جو صریحاً غلط ہے اس لئے کہ انھون نے ۹۶۵ھ مین تو اپنی آخری کتاب الشقائق النعمانیہ لکھی ہے، جیسا کہ خود انھون نے آخر کتاب مین اپنے حالات مین تحریر کیا ہے، [4] دیکھو مصطفیٰ کا تذکرہ جو ان کے بیٹے احمد نے اپنی کتاب الشقائق النعمانیہ (حاشیہ ابن خلکان ج ۱ ص ۲۳۳-۴۳۴) مین کیا ہے، اس مین اس نام کی کتاب کا ان کی تصنیف سے ہونا نہیں بتایا گیا،

(۲) ازنیقی کو "ازتقی" لکھا ہے، جو صریحاً غلط ہے، ابجد العلوم میں بھی اس کو ازنیقی لکھا ہے،

اس تمام لمبی چوڑی تحریر کے بعد بھی یہ نہیں بتایا گیا، کہ آخر اس کتاب کا مؤلف کون ہے پھر مکتبۂ خدیویہ کے نسخے سے ایک اسم مجہول کو بطور مؤلف پھر صدر مقدمہ میں شمس الدین بن قاضی برہان الدین کو اس کا مؤلف بتا کر آخر میں لکھا ہے کہ اس کا مؤلف کوئی دسویں صدی کا آدمی معلوم ہوتا ہے،

الغرض جرجی زیدان نے کوئی فیصلہ کن بات نہیں بتائی کہ آخر مدینۃ العلوم کا مؤلف کون تھا ؟ اس کی عبارت سے صرف دو باتیں معلوم ہوتی ہیں :

(۱) مدینۃ العلوم طاشکبری زادہ کی تالیف ہے، جو دسویں صدی ہجری میں گذرے ہیں،

(۲) جس کتاب کے مقدمہ میں شمس الدین بن ابراہیم کا نام بطور مولف لکھا گیا ہے جو صحیح نہیں معلوم ہوتا،

مدینۃ العلوم کو اور مصنفین نے بھی طاشکبری زادہ کی تالیف بتایا ہے چنانچہ صاحب عقد المنظوم نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے :۔

"اور ایک کتاب لکھی ہے جس میں علوم کی قسمیں اور ان کے موضوعات ہر فن کی مشہور تصنیفات مع مختصر حالات بیان کئے ہیں[۱]،

اس میں صرف کتاب کا موضوع بتایا گیا ہے، کتاب کے نام کی تصریح عقد المنظوم ہی کے حوالہ سے مولانا عبد الحیٔ لکھنوی مرحوم نے اس طرح کی ہے :۔

"اور ایک کتاب میں علوم کی قسمیں اور ان کے موضوعات بیان کئے ہیں اور اس کتاب کا نام مدینۃ العلوم ہے[۲]"

رہا اس کا شمس[۳] الدین کی تصنیف ہونا، تو حاجی خلیفہ نے ان کی کتاب ارشاد القاصد فی اسنی المقاصد[۴] کے متعلق جو موضوعات علوم پر بہترین کتاب ہے، لکھا ہے کہ یہ کتاب طاشکبری زادہ کی مفتاح السعادۃ کا ماخذ ہے[۵] اس لئے بہت ممکن ہے کہ مفتاح السعادۃ اور مدینۃ العلوم دونوں طاشکبری زادہ کی تصنیف سے ہوں، یا پھر دونوں کتابیں ایک ہی ہوں نواب صدیق حسن خان مرحوم اپنی کتاب ابجد العلوم کا ماخذ تمامتر ازنیقی کی مدینۃ العلوم کو بتاتے ہیں، جو ان کی معتمد علیہ کتاب ہے، ساتھ ہی وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ مفتاح السعادۃ اور مدینۃ العلوم کی عبارت میں کوئی فرق نہیں ہے، مفتاح السعادۃ سے وہ واقف نہ تھے، بلکہ صرف کشف الظنون میں اس کے منقولات انھوں نے دیکھے تھے،

چنانچہ فرماتے ہیں:

"اور ہم کتاب مفتاح السعادۃ سے واقف نہ تھے، بجز اس کے جو اس کتاب سے کاتب چلپی نے کشف الظنون میں نقل کیا ہے، جب مدینۃ العلوم کو ہم نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ گویا وہ مفتاح السعادۃ ہی ہے، ان دونوں کی عبارتیں اس قدر ملتی جلتی ہیں کہ ان میں ذرہ بھر فرق نہیں پایا جاتا، لیکن صاحب کشف الظنون نے مدینۃ العلوم کا ذکر ہی نہیں کیا، جیسا کہ اس نے مفتاح السعادۃ کا تذکرہ کیا ہے، حالانکہ مدینۃ العلوم اس سے پہلے

---

[۱] العقد المنظوم فی ذکر افاضل الروم بہامش ابن خلکان ج ۲ ص ۱۰۱ [۲] طرب الاماثل بتراجم الافاضل ص ۵۰، طبع لکھنؤ، [۳] شمس الدین محمد بن ابراہیم بن ساعد الانصاری المتوفی ۷۴۹ھ کا تذکرہ ابن حجر عسقلانی نے الدرر الکامنہ جلد ۳ ص ۲۷۹ صفحہ ۲۸۰ میں کیا ہے، حاجی خلیفہ نے ان کی تاریخ وفات ۷۹۴ھ غلط لکھی ہے [۴] ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال نے اس کو حدود النحو کے ساتھ شائع کیا ہے، مختصر رسالہ ہے، موضوعات علوم میں کہیں کہیں اس کی عبارتیں مفتاح السعادۃ سے ملتی جلتی ہیں، حالانکہ مفتاح السعادۃ میں مصنف یا ان کی اس کتاب کا ذکر کہیں نہیں پایا جاتا [۵] کشف الظنون ج ۱ ص ۴۸،

کی تصنیف ہے تو ہمیں ان دونوں کتابوں میں مبنیٰ اور معنی کی حیثیت سے کوئی فرق نہیں معلوم ہوا، بجز اس کے کہ ان کے نام جدا ہیں، مگر موضوع کے لحاظ سے دونوں ایک ہی ہیں[۱]"

لیکن خود ابجد العلوم مدینۃ العلوم کی نقل ہے، مصر کے مشہور محقق احمد زکی پاشا جنھوں نے اسلامی موسوعات (موضوعات) پر ایک محققانہ رسالہ لکھا ہے، ابجد العلوم کو مدینۃ العلوم یا مفتاح کی نقل بتاتے ہیں، چنانچہ ازنیقی کی مدینۃ العلوم کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :۔

"ازنیقی کی کتاب مدینۃ العلوم ہے، اس پر صاحب ابجد العلوم نے اپنی کتاب کے اکثر مقامات اور ابواب میں اعتماد کیا ہے، اور اس کے مقدمہ سے بعض نئی معلومات نقل کی ہیں، اس سے مجھے خیال پیدا ہوا کہ مدینۃ العلوم اور مفتاح السعادۃ دونوں ایک ہی کتابیں ہیں، یا ایک نے دوسرے سے نقل کر لی ہے مصنف کے نام کا ذکر کئے بغیر اس سے میرا تعجب بڑھ گیا جس نے میری طبیعت میں کاوش پیدا کر دی خصوصاً جب کہ میں نے یہ دیکھا کہ صاحب ابجد نے مدینۃ العلوم کی فہرست اور بعض علوم کے ساتھ بعض کے ربط کی کیفیت کو نقل کر لیا ہے مجھے فہرست مفتاح السعادۃ کے ساتھ اس کی پوری مشابہت معلوم ہوئی جب کہ میں کتب خانہ خدیویہ میں یہ رسالہ لکھنے میں مشغول تھا، اور ابجد سے واقف ہونے سے پہلے میں مدینۃ العلوم سے آگاہ ہو چکا تھا[۲]"

اس کے بعد ابجد کی محولۂ بالا عبارت کو نقل کرتے ہوئے احمد زکی لکھتے ہیں :۔

"جب میں نے یہ دیکھا تو میں کتب خانہ خدیویہ میں دوبارہ جانے سے اپنے آپ کو نہ روک سکا، اور میں نے مدینۃ العلوم کے مقدمہ اور اس کی فہرست سے (جیسی کہ وہ ابجد العلوم میں منقول ہے) مفتاح السعادۃ کے مقدمہ اور فہرست کا مقابلہ کیا، تو معلوم ہوا کہ دونوں کتابیں بعض الفاظ کی کمی بیشی اور تقدیم و تاخیر کے سوا جس کو کوئی محسوس نہیں کر سکتا، ایک ہی ہیں[۳]"

امور متذکرۂ بالا سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مدینۃ العلوم نام کی جو کتاب ہے وہ مفتاح السعادہ کی نقل ہے، اور دونوں کتابوں کا مصنف طاشکبری زادہ ہے، نیز یہ کہ مفتاح السعادہ کا اصلی ماخذ ارشاد القاصد ہے لیکن احمد زکی کا یہ لکھنا کہ مدینۃ العلوم نام کی ایک مجہول المصنف کتاب کو طاشکبری زادہ نے اڑا لیا، اور اپنے نام سے شائع کر دیا صریحاً زیادتی ہے، اور یقیناً غلط ہے، خود ان کو بھی اس کا یقین نہیں تھا، چنانچہ فرماتے ہیں :۔

"مگر طاشکبری زادہ کی علمیت اور شہرت نیز ان کی کئی مفید کتابوں کا متداول ہونا ان کے متعلق دورائیں نہیں ہو سکتیں، کاش میں جان سکتا، کہ اس اشکال عظیم کی اصل حقیقت کیا ہے، آیا انھوں نے اس ضخیم کتاب (مدینۃ العلوم) کو چرا لیا، اور علماء کو دھوکا دینے کے لئے اس کا نام بدل ڈالا، میں اس معاملہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا، اس بحث کو میں آئندہ زمانہ کے لئے چھوڑتا ہوں کہ وہی اس امر عجیب پر سے پردہ اٹھائے گا، اور اصل حقیقت کو بیان کرنے کا کفیل ہوگا[۴]"

---

[۱] ابجد العلوم ص ۲۰۹ طبع بھوپال [۲] ایضاً [۳] موسوعات العلوم العربیہ ص ۳۰ [۴] ایضاً ص ۳۰، ۳۱، [۵] ایضاً صفحہ ۳۱،

مطبوعاتِ جدیدہ

شاہ اسمٰعیل شہید مرتبہ جناب عطاء اللہ صاحب بٹ تقطیع بڑی ضخامت ۲۱۶ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور،

ہماری جدید تعلیم یافتہ نسل خصوصاً نوجوانون کا طبقہ ہندوستان مین اپنے اسلاف کے مجاہدانہ کارنامون سے عموماً ناواقف ہو، مسلمان سلاطین کے حالات سے تو اسکول کا بچہ بچہ واقف ہے لیکن حضرت مجدد الف ثانی شاہ ولی اللہ دہلوی حضرت سید احمد بریلوی اور مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہم کے کارنامون سے بہت سے اچھے خاصے تعلیم یافتہ اشخاص تک ناواقف نکلین گے، خوشی کا مقام ہو کہ پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس کانفرنس نے ان بزرگون کی یاد کو تازہ رکھنے اور نوجوانون کو ان کے کارنامون سے روشناس کرنے کے لئے ان کی یادگار منانے کا سلسلہ شروع کیا ہو جس مین ان کے حالات و کارنامون پر مضامین پڑھے جاتے ہین، زیر نظر مجموعہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے متعلق اردو اور انگریزی کے مضامین پر مشتمل ہے، لکھنے والون مین مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی، مولانا محمد میان مرادآبادی، ڈاکٹر محمد باقر، ڈاکٹر تصدق حسین خان، غلام رسول صاحب مہر، نصر اللہ خان صاحب عزیز، پروفیسر عبد القیوم صاحب، خواجہ عبد الوحید صاحب پروفیسر سلیم چشتی اور لاہور کے متعدد اصحاب قلم ہین، پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس کانفرنس کا یہ ملی احساس قابل ستایش ہے، ہمارے صوبہ متحدہ کے مسلمان نوجوانون کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہئے جن کی قومیت پرستی کی معراج ملحدانہ اشتراکیت اور جن کی قلمی و ادبی کائنات نئے ادب سے آگے نہیں بڑھتی،

فیصلہ کن جنگین مؤلفہ جناب محمود خان صاحب مورخ تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۹۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ ملک بک ڈپو کشمیری بازار، اسٹریٹ لاہور،

ہندوستان کی سرزمین پر محمود غزنوی بلکہ اس سے بھی پہلے محمد بن قاسم کے حملہ سے لیکر سلطان ٹیپو اور انگریزون کی جنگ تک بہت سی اہم لڑائیان ہوئین جن کا اثر کسی نہ کسی حیثیت سے سارے ہندوستان پر پڑا، مؤلف نے اس کتاب مین ان مین سے آٹھ لڑائیون پرتھوی راج اور محمد غوری کی جنگ تھانیسر ۱۱۹۲ء بابر اور ابراہیم لودی کی جنگ پانی پت ۱۵۲۶ء ہمایون اور فرید خان کی جنگ قنوج ۱۵۴۰ء اکبر اور ہیمو کی جنگ پانی پت ۱۵۵۶ء دکن کی ہندو اور مسلمان حکومتون کی متحدہ جنگ تالی کوٹہ ۱۵۶۴ء سراج الدولہ اور انگریزون کی جنگ پلاسی ۱۷۵۷ء احمد شاہ ابدالی اور مرہٹون کی جنگ پانی پت ۱۷۶۱ء ٹیپو اور انگریزون کی جنگ سرنگاپٹم ۱۷۹۹ء کے حالات لکھے ہین جو ان کے نزدیک اپنے نتائج کے اعتبار سے زیادہ اہم اور فیصلہ کن تھین، اور جن کا اثر سارے ہندوستان پر پڑا ان لڑائیون کے درمیانی زمانون کے مختصر حالات بھی لکھ دیئے ہین جن سے تاریخی خلا پر ہوگیا ہے، ہر جنگ کے حالات کے آخر مین اس کے ماخذ بھی دیدیے ہین، جابجا حالات کے ضمن میں بھی حوالے ہین، کتاب مفید ہے،

ذکر جمیل از جناب ماہر القادری تقطیع چھوٹی ضخامت ۷۸ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ نفیس اکیڈمی حیدرآباد دکن،

ذکر جمیل مصنف کی نعتیہ نظمون کا مجموعہ ہو، ان کا کلام ادبی ذوق تعارف سے مستغنی ہو، زیر نظر مجموعہ مین بھی ان کا حسن مذاق نمایان ہو، خیالات بڑی حد تک نعت کی عام افراط و تفریط اور بے اعتدالی سے پاک ہین کہین کہین پر خفیف لغزش چندان قابل توجہ نہین انداز بیان دلکشی اور موثر ہے، یہ نظمین میلاد کی مجلسون مین پڑھنے کے لائق ہین،

"م"

جلد ۵۶ ماہ جمادی الاول مطابق ماہ مئی سنہ ۱۹۴۵ء عدد ۵

مضامین

مضمون	مصنف	صفحات
شذرات	سید سلیمان ندوی	۹۷-۹۸
خطبۂ صدارت	"	۹۹-۱۰۲
غیر اسلامی ممالک میں سود و قمار کا حکم	جناب مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی استاذ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی،	۱۰۰-۱۱۳
"عرفانیاتِ فانی"	جناب مرزا احسان احمد صاحب بی اے ایل ایل بی	۱۱۴-۱۱۹
رومہ کا ایک خط	جناب ریاض الحسن صاحب	۱۲۰-۱۲۳
"ادب اور زندگی"	"م"	۱۲۴-۱۲۶
مطبوعاتِ جدیدہ	"	۱۲۷-۱۲۸

شذرات

دار المصنفین صرف دار الاشاعۃ نہین ہو بلکہ یہ ایک دار التکمیل اور دار التربیۃ ہے جہان عربی و انگریزی کے فارغ التحصیل سلیم الذوق اصحاب پانچ برس رہکر مزید تحقیق و تدقیق تلاش و جستجو اور توسیع علم و مطالعہ مین مصروف رہتے ہین اور ان کی تلاش اور محنت کے نتیجے وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہین، اس کی گذشتہ تیس سال کی زندگی مین متعدد فضلا یہان سے فارغ ہو کر باہر گئے، اور ملک و ملت ان کی تصنیفات و تحقیقات سے مستفید ہوا اور ہو رہا ہے،

———·>·×·<·———

اس سلسلہ مین مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی مرحوم کا پہلا نام تھا جو یہان سے پہلے کلکتہ لائبریری مین پھر اورینٹل لائبریری پٹنہ مین اور پھر مدرسہ شمس الہدی پٹنہ مین صدر مدرس ہوئے دوسرا نام پروفیسر نجیب اشرف صاحب ندوی کا ہے جو اس وقت اسمٰعیل کالج بمبئی مین السنۂ شرقیہ کے معلم ہین تیسرا نام مولوی سعید صاحب انصاری کا ہے جو ہندوستانی اکاڈیمی الٰہ آباد کے رسالہ مین اڈیٹر ہوئے چوتھا نام مولوی محمد عزیر صاحب ایم اے کا ہے جو اب مسلم یونیورسٹی مین اردو کے لکچرر ہین، پانچوین صاحب مولوی ابو الجلال صاحب ندوی ہین، جو اس وقت جامعہ دار السلام عمرآباد کے سلسلۂ تالیف و تصنیف مین منسلک ہین، چھٹے صاحب مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی ہین، جو پہلے یہان سے شانتی نکیتن بنگال مین عربی کے پروفیسر ہو کر گئے، اور اب گجرات ورنیکلر سوسائٹی مین ریسرچ اسکالر ہین،

———·———

اس سلسلہ کا آخر نام مولوی محمد اویس صاحب نگرامی ندوی کا ہو جو ابھی پانچ برس کی مدت ختم کر کے دار العلوم ندوۃ العلماء میں درس قرآنیہ اور علوم قرآنیہ اور فقہ و کلام کے مدرس ہو کر گئے ہین، دلی دعا ہو کہ اللہ تعالیٰ ان سے مدرسہ مذکور کے طلبہ کو مستفید فرمائے،

———·———

انگریزی یونیورسٹیون کے ریسرچ اسکالر اور ڈاکٹریٹ کے طالب علم بھی وقتاً فوقتاً یہان سے مستفید ہوتے رہتے ہین خطوط سے